هفت روزہ
خدام الدین
لاہور
بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۲۹ر شوال ۱۳۸۶ھ
۱۰ر فروری ۱۹۶۷ء
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

ایڈیٹر
مناظر حسین نظر
ٹیلیفون
۶۷۵۴۵

سالانہ
گیارہ روپے
ششماہی
چھ روپے

جلد ۱۲	۲۹ر شوال المکرم ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۰ر فروری ۱۹۶۷ء	شمارہ ۳۹

اسلام ابدی مذہب ہے

چند دن ہوتے گورنمنٹ ہاؤس کراچی میں دوسری بین الاقوامی محفل قرأت کے افتتاح کے موقع پر گورنر مغربی پاکستان جنرل محمد موسیٰ نے صدر ایوب کی ایک تقریر پڑھ کر سنائی جس میں صدر نے اسلام کے بنیادی اصولوں پر تحقیق و تجسس کی ضرورت پر زور دیا اور اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ اگر مذہب کو ذہن و قلب کے لئے قابل قبول بنانے کی غرض سے مناسب اقدامات نہ کئے گئے تو تعلیم یافتہ نوجوان مذہب سے بیگانہ ہو جائیں گے نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر مذہب نے جدید تقاضوں کو پورا نہ کیا تو زندگی سے اس کا رشتہ کمزور پڑ جائے گا۔ اور ہماری روحانی اور مادی زندگی کے مابین ایسی وسیع خلیج حائل ہو جائے گی جسے غالباً کبھی پُر نہ کیا جا سکے گا۔

صدر ایوب نے بلاشبہ ان الفاظ میں اپنے درد کا اظہار کیا ہے اور ہر اُس شخص کو جسے دین سے محبت ہے اور وہ اسے زندہ اور فعال دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور مذہب "دینِ فطرت" کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ ایک کامل و مکمل دین، جامع و اکمل دستورِ حیات اور ہمیشہ رہنے والا امٹ نظامِ زندگی ہے۔ اس کے بنیادی اصول خالقِ کائنات کے وضع کردہ ہیں اور ان کی عملی تعبیر سیّدِ دو عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ و بے داغ زندگی اور ان کی مبارک تعلیمات ہیں۔ اس میں نہ تو تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ ہی مخلوق میں سے کسی کو حق ہے کہ اس میں ترمیم و اضافہ کر سکے۔ چنانچہ خدا کا آخری دین اپنے اندر اس قدر جامعیت و کاملیت رکھتا ہے کہ اسے برملا طور پر ہر دور، ہر زمانے اور نہ صرف کرۂ ارض بلکہ پوری کائنات کے لئے دستور العمل اور نظامِ حیات قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن وقت اور زمانے کے حالات کے ساتھ معاشرے میں بے راہ روی اور کوڑھ پھیل جائے اور لوگ ہی کج اندام ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام کے متناسب اور جامع و اکمل ترین لباس میں نقص واقع ہو گیا ہے اور اس لئے اسی کو بدل کر بدزیب بنا دیا جائے بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہوگا کہ لوگوں کی بیماری کا علاج کیا جائے اور ان کی کج اندامی دُور کی جائے۔ عوام قانون کے تابع ہوتے ہیں قانون عوام کے تابع نہیں ہوتا۔۔۔ قانون کا مقصد اصلاح احوال اور عوام کی درستی ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اگر لاقانونی عام ہو جائے تو قانون میں لچک پیدا کر کے لاقانونی کے لئے مزید راہیں پیدا کر دی جائیں۔ ایک مسلمان کا کام ہے کہ وہ خدا و رسول کے احکام بلا کسی چون و چرا کے بجا لائے۔ اور اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالے اور اسلام کی روح اپنے اندر جاری و ساری کرے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارا طرزِ عمل بحیثیت مجموعی اس سے مختلف ہے۔ اسلام کا نام زبانوں پر ضرور ہے مگر روح نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دین اور دنیا کو الگ الگ کر دیا ہے۔ جن لوگوں نے مادی ترقی کی ہے انہیں دین سے سروکار نہیں اور جن لوگوں کو مذہب سے شغف ہے ان کی اکثریت علوم جدیدہ سے بے بہرہ ہے۔ جس کے باعث دونوں طبقوں کے درمیان حدِ فاصل کھنچ گئی ہے۔ ابتدائے اسلام میں دونوں طبقوں کے درمیان کوئی حدِ فاصل موجود نہ تھی اور نہ ہی ان میں کوئی ٹکراؤ تھا۔ لیکن جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا۔ علمی، سیاسی اور سائنسی میدانوں میں بھی دنیا آگے بڑھنے لگی۔ اور چونکہ مسلمان اسی دنیا کے لوگ تھے وہ بھی آگے بڑھے اور اس پیش قدمی میں دین کو ساتھ لینا بھول گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین پیچھے رہ گیا اور مسلمان دنیا میں آگے نکل گئے جس سے دونوں طبقات میں بُعد ہو گیا۔ اب اس قسم کے مسلمان جنہیں صرف دنیا ہی سے تعلق ہے اور صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں جب پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں تو بظاہر انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مذہب خدانخواستہ آج کے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ مگر یہ غلطی مذہب کی نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی ہے کہ انہوں نے دین سے دُوری کیوں اختیار کی۔ ہمارا یہ عقیدہ کہ جو نصب العین اور مادی ترقیات اسلام کے اصولوں سے ٹکراتی ہیں عیب اگر ہوگا تو ان میں ہوگا اسلام میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا چونکہ اس کا پیش کرنے والا خود خالقِ کائنات اور حکیم مطلق ہے۔ اسلام کے بنیادی اصول اور ارکان اٹل ہیں۔ ان میں کسی ترمیم یا تحریف اور اضافے کی گنجائش نہیں۔ جو کچھ ان کے مطابق ہے ٹھیک ہے۔ اور جو اس سانچہ میں فٹ نہیں بیٹھتا وہ ایک انسان کے لئے لائقِ اعتناء ہی نہیں۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم اپنے علم و عمل سے اسلام کو ہر چیز پر فائق ثابت کر سکیں۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اعتذار

زیرِ نظر شمارہ میں شامل مضمون "انکارِ حدیث کے نقصانات" کا صحیح عنوان "منکرینِ حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات" ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔ ادارہ کاتب صاحب کے اس سہو پر صاحب مضمون اور قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

(مینیجر)

مولانا قاری رشید احمد خلف الرشید اسوۃ الصلحا سید الاتقیاء حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری

فضائلِ درود شریف

(گذشتہ سے پیوستہ)

درود شریف

کے پڑھنے کے متعلق چند خاص مفید ہدایتیں

عا۔ با وضو درود شریف پڑھنا زیادہ ثواب ہے وضو نہ ہو تو بھی پڑھنا ثواب ہے اس طرح قرآن مجید کو وضو کے بغیر ہاتھ لگانا تو گناہ ہے لیکن وضو کے بغیر یاد پڑھنا جائز ہے۔

بے وضو قرآن مجید پڑھنے سے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں اور وضو کے ساتھ پڑھنے سے ایک ایک حرف کے بدلے پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے جتنا قرآن شریف پڑھا جائے ایک ایک حرف کے بدلے پچاس پچاس نیکیاں اور کھڑے ہو کر پڑھنے میں ایک ایک حرف کے بدلے سَو سَو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت امام ابن قیمؒ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں مفید آداب تحریر فرمائے ہیں۔

ہم انہیں بعینہٖ نقل کر دیتے ہیں؛

عا۔ جمعہ کے دن جب تک امام اپنا کلام نہیں شروع کرتا ہمیں چاہیئے کہ ہم بیٹھ کر محبت کے ساتھ درود شریف پڑھتے رہیں اس لئے کہ حضرت رسول اکرمؐ کا فرمان ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ اس دن درود شریف میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ خیر الکلام صفحہ عـ۲۱۱ تفسیر دُر منثور میں حضرت امام سیوطیؒ بروایت حضرت انسؓ تحریر فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مجھ سے ہر موقع پر وہی انسان زیادہ قریب ہوگا جو کہ دنیا میں کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھتا رہتا تھا اور جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو ایک ایک سَو دفعہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی تیس حاجتیں دنیا میں اور ستر حاجتیں آخرت میں پوری کرے گا پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دیتے ہیں کہ اس درود شریف کو میرے پاس میری قبر میں پیش کرے جس طرح کہ کوئی تحفہ کسی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور مجھے بتلایا جاتا ہے کہ یہ درود فلاں شخص نے بھیجا ہے اور اس کے نام کے ساتھ دس پشتوں تک اس کے باپ دادے کے نام بتائے جاتے ہیں پھر اس درود شریف کو ایک سفید نورانی صحیفے میں قیامت کے دن کے لئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

سبحان اللہ۔ درود شریف کے ذریعے سے کتنی بڑی سعادت نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت عظمیٰ سے فیض یاب ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

(عـ۲) صبح اور مغرب کی نماز کے وقت۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص صبح اور مغرب کی نماز کے بعد درود شریف پڑھے اس کو بھی میری شفاعت نصیب ہوگی تفسیر مظہری صفحہ نمبر ۳۴۱ طبرانی جلاء الافہام

عـ۳ "وضو کے بعد"

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ وضو سے فارغ ہو کر اس طرح کہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

پھر ایک دفعہ درود شریف پڑھے اسطرح کرنے سے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

جلاء الافہام صفحہ عـ۲۲۲

عـ۴ وضو کرتے وقت درود نہ پڑھنا۔

حضرت ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ جو شخص وضو کرتے وقت درود شریف نہ پڑھے وہ بہت بڑے برکات اور خیر و ثواب سے محروم رہ جاتا ہے مواہب الدنیہ جلد عـ۱ صفحہ عـ۱۱۹ جلاء الافہام خیر الکلام

عـ۵۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ جب تم مسجد سے گذرو جب مسجد کے اندر جاؤ تو درود شریف ضرور پڑھ لیا کرو خیر الکلام صفحہ عـ۲۱۲ مواہب الدنیہ جلد عـ۱ صفحہ نمبر ۱۱۸

نوٹ۔ بہتر ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اس طرح پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

عـ۶ آذان کے بعد درود شریف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آذان سن کر جیسا مؤذن کہتا ہے وہی کلمات تم بھی کہتے چلے جاؤ جب آذان ختم ہو تب دعاء مانگ کر درود شریف پڑھو اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو۔ وسیلہ جنّت میں ایک بلند ترین مقام ہے وہ عزّت کا بلند ترین مقام انسانوں میں سے اس کو ملے گا جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوگا اور میری تمنّا ہے کہ وہ مقام مجھے عطا ہو جو میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگے گا اس کے لئے شفاعت واجب ہو گی مواہب الرحمٰن صفحہ نمبر ۱۰۔ مواہب الدنیہ جلد عـ۱ صفحہ نمبر ۱۱۸۔

حضرت شیخ شبلیؒ کے متعلق حکایت

حضرت ابو بکر محمد بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں ایک دن ابوبکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا ہوا تھا اسی مجلس میں حضرت شیخ شبلیؒ تشریف لائے حضرت ابوبکر بن محمد نے اٹھ کر ان کے ساتھ معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا مجھے تعجّب ہوا اور میں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا حضرت ابوبکرؒ نے فرمایا کہ میں نے اس لئے بوسہ دیا کہ حضور اکرمؐ نے ان سے ایسا ہی برتاؤ کیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجھے خواب میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور اسی مجلس میں حضرت شبلیؒ بھی حاضر ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھ کر ان کی پیشانی کو چوما میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کہ آپ شبلیؒ سے ایسا سلوک کیوں فرماتے ہیں تو جناب نے فرمایا کہ یہ سلوک اس لئے کیا ہے کہ شبلیؒ نماز کے بعد یہ آیت پڑھ کر مجھ پر درود بھیجتے ہیں۔ آیت درج ذیل ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ

ترجمہ: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ؕ

فائدہ: سبحان اللہ اتنے سہل اور آسان وظیفہ سے انسان کا مقام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کے اندر کتنا بلند ہو سکتا ہے

ع۷ نیند سے بیدار ہوتے وقت درود شریف پڑھنا

حضرت امام نسائی اپنی کتاب سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے کرتے ہیں کہ دو شخصوں کی حالت پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے ایک وہ شخص جو میدان جنگ میں کفّار کے سامنے مسلّح ہو کر کھڑا ہے اُس کے ساتھی تو بھاگ گئے لیکن یہ مرد مجاہد ایمان کی قوّت اور بڑی ہمّت کے ساتھ لڑتا رہتا ہے اگر قتل ہوا تو سیدھا جنّت میں گیا اور اگر زندہ رہا تو غازی اور مجاہد ہوا دُوسرا وہ آدمی جو رات کو گہری نیند میں سو کر اُٹھتا ہے اور بے اختیار اُس کی زبان پر درود شریف کا ورد جاری ہو جاتا ہے۔

ع۸ دعاء اور درود شریف

دعا مانگتے وقت شروع اور اخیر اور درمیان میں درود شریف پڑھنا دعا کی منظوری کا باعث بن جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق، تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔

ع۹ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مبارک نام سُنکر درُود نہ پڑھنا

مجلس میں بیٹھے ہوئے جب حضور اقدسؐ کا مبارک نام آئے تو سن کر درود شریف پڑھنا نہایت ضروری ہے جو شخص حضورؐ کا مبارک نام سن کر درود شریف نہیں پڑھتا وہ قیامت کے دن شرمندہ اور بہت زیادہ خیر اور برکات سے محروم رہے گا۔ رَغِمَ عَنْ فَرَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔

ترجمہ۔ وہ شخص رسوا ہوا جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اُس نے مجھ پر درود شریف نہ پڑھا ترمذی شریف نسائی شریف مستدرک الحکم

بعض حدیثوں میں ایسے آدمی کو بخیل کہا گیا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک نام سن کر درود شریف نہ پڑھے اگر آنحضرت کا مبارک نام تحریر میں آئے تو وہاں بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لکھنا چاہیئے۔

ع۱۰ درود شریف لکھنے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی تحریر میں صلوٰۃ اور سلام لکھتا ہے جب تک وہ تحریر باقی رہتی ہے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔ جلاء الافہام صفحہ ۲۱۳

حضرت امام شافعیؒ کا واقعہ

حضرت امام ابن قیّم اپنی کتاب جلاء الافہام میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن حکم نے حضرت امام شافعیؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحم کر کے مجھے بخش دیا۔

ناظرین کے بابرکت وظائف میں اضافہ کرنے کے لئے چند درود شریف نقل کئے جاتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

۱۔ حضرت مولانا صوفی پیر طریقت مولوی محمد صابر صاحب قادری مہتمم دار العلوم صدیقیہ کوٹ عبدالمالک ضلع شیخوپورہ نے فرمایا کہ یہ درود شریف کمالات عزیزیہ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اس کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن اس درود شریف کو خوشبو لگا کر باوضو، ہو کر مودبانہ بیٹھ کر ایک ہزار دفعہ پڑھنے سے زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوگا نیز قطب زمان سلطان الاولیا سیدی و مرشدی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ اپنے وابستگان کو بھی درود شریف تلقین فرمایا کرتے تھے

۲۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ

یہ درود شریف قطب عالم حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی نور اللہ مرقدہٗ کو محبوب اور پسندیدہ تھا۔ اور اپنے وابستگان کو فرمایا کرتے تھے

۳۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوٰاتِکَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ

یہ درود شریف قطب زماں حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری سجادہ نشین خانقاہ عالیہ موسیٰ زئی شریف (ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں) کے ہاں مقبول اور وابستگان میں رائج تھا۔

۴۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

یہ درود شریف قطب الاقطاب سلطان العارفین شیخ الشیوخ العالم حضرت حاجی حافظ قاری شاہ امداد اللہ صاحب فاروقی امام الافواج جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مہاجر مکی قدس اللہ کے ہاں مقبول اور ان کے وابستگان میں مروج تھا۔

اس درود شریف کے متعلق ایک ایمان افروز واقعہ۔

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ بیعت ہونے سے پہلے اس درود شریف کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے ایک دفعہ انہیں خواب میں حضرت رسول اقدس خاتم الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی دربار پر انوار میں صلحاء امت بھی اپنے اپنے مقام پر قیام فرما تھے حضرت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں ایک ممتاز ترین شخصیت کو فرمایا کہ ان کی تربیت کرنا اور اور حضرت حاجی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ ان سے مستفید ہونا۔

حضرت حاجی صاحب بیدار ہوئے تو وہ حیران تھے کہ جن سے مستفیض ہونے کا بارگاہ نبوی سے ارشاد ہوا ہے انہیں کہاں تلاش کروں کسی اچھے مشیر نے جھنجانہ شریف کا پتہ دیا حضرت حاجی صاحب وہاں پہنچے تو خواب والی ممتاز ترین شخصیت کی زیارت سے مشرف ہوئے دونوں نے ایک دوسرے کو خواب والی رویت کی وجہ سے پہچان لیا وہ ممتاز ترین شخصیت حضرت حاجی نور محمد صاحب جھنجانوی تھے جن سے حضرت حاجی صاحب بیعت ہوئے اور تربیت کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں خرقۂ خلافت حاصل کر کے واپس تھانہ بھون شریف لائے اور سلسلہ عالیہ کے ذریعے اکابرین اسلام کو فیضیاب فرمایا

دینِ اسلام

سیّد محمود پرواز

دینِ کامل ہے یہ اسلام اور ہے دینِ قدیم
اس کی اصلاح کرے کیا کوئی جو خود ہے سقیم
دوسرا نام ہے اس دین کا دینِ اللہ
تجھ کو لازم ہے کرے دینِ خدا کی تعظیم
عقلِ انساں کا ہو قدرت میں دخل ناممکن
کب ترے بس میں ہے آئینِ خدا کی ترمیم
فکرِ تنظیمِ وطن تجھ کو مبارک ہو مگر
دینِ اسلام ہے خود ایک مسلّم تنظیم

●

خطبہ جمعہ

۲۲ر شوال المکرم ۱۳۸۶ھ بمطابق ۳ر فروری ۱۹۶۷ء

پیغمبروں کی تعلیم کا جھٹلانا اور اُن کا اتباع کرنے والوں سے بدسلوکی قوم کی تباہی کا باعث بنتی ہے

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی:

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:—

إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم ط

ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔

بزرگانِ محترم! علامہ اقبال مرحوم کا یہ مشہور شعر؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اسی آیت قرآنی کا ترجمہ ہے اور اگر تاریخِ اقوامِ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ دنیا کی مختلف قوموں اور ملکوں کی تباہی کا باعث درحقیقت ان کی اپنی ہی بداعمالیاں اور معصیتیں بنتی رہی ہیں — ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ ربّ العزت ہر جگہ اور ہر آن حاضر و ناظر ہے۔ کائنات کے تمام کام اُسی کے ارادہ اور منشاء کے مطابق سرانجام پاتے ہیں اور اس جہان اور اس کے مصنوعی حکّام سے اوپر یقیناً وہ ایک بالادست قوت ہے۔ قومیں اور سلطنتیں بنتی بھی اسی کے فیصلے سے ہیں۔ ترقی کے منازل بھی اسی کے فیصلے سے طے کرتی ہیں۔ اور تباہ و برباد بھی اُسی کے فیصلے سے کر دی جاتی ہیں۔ پھر باوجود خزانوں، جرار لشکروں اور مادی قوتوں کے کوئی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا اور وہ بڑی بڑی مغرور قوموں اور سلطنتوں کو آنِ واحد میں تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے اور قوموں کی تباہی کا باعث اکثر یہ ہُوا ہے کہ انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن عزیز کے بیان کردہ چند شواہد ملاحظہ فرمایئے:—

پہلی شہادت

قولہ تعالیٰ:— كذبت قوم نوح المرسلين ٥ إذ قال لهم أخوهم نوح ألا تتقون ٥ إني لكم رسول أمين ٥ فاتقوا الله وأطيعون ٥ وما أسألكم عليه من أجر إن أجري إلا على رب العلمين ٥ فاتقوا الله وأطيعون ٥ قالوا أنؤمن لك واتبعك الأرذلون ٥ قال وما علمي بما كانوا يعملون ٥ إن حسابهم إلا على ربي لو تشعرون ٥ وما أنا بطارد المؤمنين ٥ إن أنا إلا نذير مبين ٥ قالوا لئن لم تنته ينوح لتكونن من المرجومين ٥ قال رب إن قومي كذبون ٥ فافتح بيني وبينهم فتحا ونجني ومن معي من المؤمنين ٥ فأنجينه ومن معه في الفلك المشحون ٥ ثم أغرقنا بعد الباقين ٥ إن في ذلك لآية ط وما كان أكثرهم مؤمنين ٥ وإن ربك لهو العزيز الرحيم ٥ (پ ۱۹- س الشعراء آیت ۱۰۵ تا ۱۲۲)

ترجمہ: نوحؑ کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان کے بھائی نوحؑ نے کہا۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ انہوں نے کہا کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیرے تابع تو کمینے لوگ ہوئے ہیں۔ کہا اور مجھے کیا خبر کہ وہ کیا کرتے تھے۔ اُن کا حساب تو میرے رب ہی کے ذمہ ہے — کاش کہ تم سمجھتے۔ اور میں ایمان والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو بس کھول کر ڈرانے والا ہوں۔ کہنے لگے۔ اے نوحؑ! اگر تُو باز نہ آیا تو ضرور سنگسار کیا جائے گا۔ کہا۔ اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے اور جو میرے ساتھ ایمان والے ہیں نجات دے۔ پھر ہم نے اُسے اور جو اس کے ساتھ بھری کشتی میں تھے بچا لیا۔ پھر ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔

آیاتِ مذکورہ کو پڑھ جایئے۔ ان میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی کشاکش کا ذکر ہے — زیادہ گمراہ ہمیشہ امراء ہی ہوتے ہیں۔ اور انہی کی گمراہی ساری قوم کو لے ڈوبتی ہے۔ چنانچہ ان کے مقابلے کے لئے بھی اللہ تعالےٰ بہترین افراد کو منتخب فرماتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم کے بہترین اور معزز فرد تھے اور ان کے نزدیک بڑے امین اور معتمد تھے۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اللہ کا ایک رسول ہوں اس کی ہر ایک بات اور اس کا ہر ایک حکم تم تک پہنچا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو تاکہ خدا کی خوشنودی حاصل کر سکو — دیکھو! میں اپنے لئے تم سے کسی ذاتی فائدے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ یہ جد وجہد اور تبلیغ جو دن رات کرتا ہوں اور یہ محنت و جفاکشی اور حق گوئی و بے باکی جسے اپنا فرض سمجھتا ہوں سب اس لئے ہے کہ خدا کے احکام بجا لاؤں — اور

یاد رکھئے! اپنی محنت کا ثمرہ صرف خدائے قدوس سے چاہتا ہوں تم سے نہیں۔ چونکہ میری کوئی ذاتی غرض اس میں پنہاں نہیں۔ پس تمہیں چاہیئے کہ میری بات کے ماننے میں مطلق پس و پیش نہ کرو۔ اور خدا کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ مگر وہ لوگ بڑے متکبّر اور سرکش تھے۔ اور ظاہر ہے دولت اور طاقت کا نشہ لوگوں کو متکبّر اور سرکش بنا ہی دیا کرتا ہے اور ان کی نگاہ میں علم اور تقوٰے کی قدر و قیمت جچتی ہی نہیں۔ اس لئے وہ کہنے لگے کہ اے نوحؑ! تیرے ماننے والے سب کے سب نچلے درجہ کے لوگ ہیں۔ ہمیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ ملنے ملانے میں توہین محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ اور ہماری مجلس کے قابل نہیں۔ لہذا اگر ہم تیری اطاعت قبول بھی کر لیں تو ان سے ہمارا نباہ پھر بھی مشکل ہے ـــــ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دھوکے میں پڑے ہوئے ہو ان ایمانداروں کو حقارت سے دیکھنا سخت غلطی ہے۔ مَیں کسی طرح انہیں اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا۔ اللہ کو ایمان اور تقوٰے کی قدر ہے۔ جاہ و جلال اور حشمت و طاقت کی وہاں کوئی وقعت نہیں۔ تم طاقت اور غرور کے نشے میں چور ہو کہ جو چاہو کرو۔ مگر یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اللہ کی نافرمانی اور دینداروں کے جذبات مجروح کرنے کے نتائج ہرگز خوش گوار نہ ہوں گے ــ میرا فرض تمہیں اصل حالات سے آگاہ کرنا تھا۔ سو وہ مَیں نے کر دیا ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ اس پر وہ لوگ بڑے برہم ہوئے ــ ان کے غرور کی پیشانی پر بل آ گئے۔ اور کہنے لگے ــــ اے نوحؑ! اپنے وعظ و تبلیغ کو چھوڑ دے۔ ہم سے خدا کے احکام کے مطابق تبدیل نہیں ہوا جاتا ہاں اگر خدائی احکام ہمارے مطابق بدل سکتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے ورنہ ہم تیری بات ماننے کو تیار نہیں اور اگر باوجود اس تنبیہہ کے تُو نے اپنے سلسلے کو جاری رکھا تو ہم تجھے سخت سزا دیں گے اور پتھر مار مار کر تجھے ہلاک کر دیں گے ــــــ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی جانب سے مایوس ہو کر اللہ تعالےٰ سبحانہٗ سے دعا کی کہ وہ اس نافرمان قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے ــــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے دل سے نکلی ہوئی دعا قبول فرما لی۔ اور حضرت نوح علیہ السلام، آپؑ کے کنبہ اور چند ایماندار حضرات کے علاوہ تمام نافرمانوں کو جن میں آپؑ کا ایک لڑکا بھی تھا تباہ کر کے رکھ دیا۔

حاصل یہ نکلا کہ پیغمبر کو جھٹلانے اور اس کے ماننے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کی وجہ سے ساری قوم اپنے انجام بد کو پہنچی۔ اور تباہی و ہلاکت سے دوچار ہوئی۔

دوسری شہادت قرآن عزیز میں قوم عاد کے متعلق ارشاد ربّانی ہے "کَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ" قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور آگے چل کر اس قوم کا انجام ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ۔ پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور تب ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن عزیز نے بتایا ہے کہ قوم عاد نے بھی نافرمانی کی اور وہی طریقے اختیار کئے جو اللہ کے باغی اور سرکش اختیار کیا کرتے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا اور کہا کہ اللہ سے ڈرو۔ مَیں جو کچھ کہتا ہوں وہ سب اللہ کی جانب سے ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تم اللہ کی نافرمانی سے احتراز کر کے عذاب دوزخ سے بچ جاؤ۔ تمہارے روزمرہ کے مشاغل کچھ ایسے فضول واقع ہوئے ہیں کہ تمہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تمہاری محنت اور دولت، یادگاریں بنانے اور جشنِ عیش و مسرت منانے پر صرف ہوتی ہے اور تم سمجھتے ہو یہ چیزیں ہمیشہ رہیں گی حالانکہ معاملہ یہ نہیں ہے یہ چند روزہ کھیل ہے جس سے تم سب کچھ بھول چکے ہو اور مقاصدِ عالیہ کو چھوڑ کر غرور و فریب میں مبتلا ہو ــــــ سن لو! نہ تو تم ہمیشہ رہنے والے ہو اور نہ تمہارے یہ محلّات اور دولت۔ لہٰذا چاہیئے کہ اس معاملہ کو غور سے سوچو اور اپنی زندگیوں کو ضائع نہ کرو۔ تم نے طاقت اور غرور کے نشے میں خدا کو بالکل بھلا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تم کسی بات کا مواخذہ کرنے لگتے ہو تو انصاف و اعتدال کی حد سے بے دھڑک گذر جاتے ہو۔ یہ سخت غلطی ہے۔ خدا کا خوف کسی آن اور کبھی بھی دل سے محو نہ ہونا چاہیئے۔ اُس نے تمہیں ہر طرح کی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں ــ جن کو تم خوب جانتے ہو۔ لیکن اس کے باوجود ناشکری و نافرمانی کے مرض میں مبتلا ہو۔ حضرت ہود علیہ السلام کی ان مشفقانہ باتوں کو سننے کے بعد قوم عاد نے جواب دیا۔ کہ اے ہودؑ! تیرے وعظوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو پرانے لوگوں کے قصّے اور پرانے وقتوں کی باتیں ہمیں سناتا ہے۔ جدید حالات کے تقاضے کچھ اور ہیں ہمیں مرنے کے بعد کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ جو کچھ ہم سمجھے ہوتے ہیں۔ وہی ٹھیک ہے۔ چنانچہ ان کے اس گستاخانہ رویّے پر اللہ کی غیرت کو جوش آ گیا اور اُس نے اس عظیم الشان قوم کو خاک کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا۔

تیسری مثال ثمود کی عبرتناک داستان ہے قرآن عزیز نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جب ثمود نے قوم عاد کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کیا اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی ایک نہ مانی اور شعائر اللہ کی توہین کی تو اللہ تعالےٰ نے ان پر بھی اپنا عذاب مسلّط کر دیا۔ اور وہ صفحۂ ہستی سے نابود ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ثمود کو واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ دنیا کے عیش و عشرت میں دل نہ لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نتائج و عواقب سے ڈرو۔ اور عاد جیسی ہلاک شدہ قوموں کے نقشِ قدم پر نہ چلو کیونکہ انہوں نے دنیا میں فساد پھیلایا، نبیوں کی راہ چلنے والوں سے بدسلوکی کی۔ اور امن و امان اور عدل و انصاف کو قائم نہ رکھ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو تباہ کر دیا۔ اور اُن کی جگہ تم کو پیدا کیا۔ اب اگر تم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلوگے تو اسی طرح تم کو بھی ہلاک کر دیا جانے لگا۔ اور عاقبت نااندیشی کا تمہیں عذاب جھیلنا پڑے گا۔ لیکن انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی باتوں کو مجذوب کی بڑ سمجھا، اللہ کی نشانی جو اونٹنی کی صورت میں پیش کی گئی تھی اُس کی کونچیں کاٹ دیں اور پیغمبر کو جھٹلایا تو اللہ کا عذاب حرکت میں آ گیا۔

حاصل یہ نکلا کہ جب بھی کسی قوم نے پیغمبروں اور ان کی پیش کردہ تعلیم کو جھٹلایا۔ اور ان کی راہ پر چلنے والوں سے بدسلوکی کا مظاہرہ کیا تو وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی اور عذاب الٰہی کی گرفت میں آ گئی۔ اللّٰھم لا تجعلنا منھم۔ آمین!

محترم حضرات! قرآن عزیز اور تاریخ اقوام عالم اس قسم کے لاتعداد شواہد سے بھری پڑی ہے اس لئے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم پیغمبروں کی پیش کردہ تعلیمات کو حرزِ جاں بنائیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور دینِ خداوندی کو خندۂ استہزا نہ بنائیں تاکہ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچ سکیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں۔

یاد رکھئے! ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ حضورؐ کے بعد اب کوئی نیا نبی پیدا

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور علمِ حدیث

(گذشتہ سے پیوستہ)

امام صاحبؒ کے شرائط

امام صاحبؒ کو ایک دوسری حیثیت سے بھی اپنے معاصرین اور بعد کے آئمہ پر خصوصیت حاصل ہے۔ امام صاحبؒ کے زمانہ تک بہت سے احادیث کے دفتر تیار ہو چکے تھے۔ لیکن ضرورت تھی کہ احادیث کے قبول و رد کے قاعدے مرتب کئے جائیں۔ چنانچہ امام صاحبؒ نے اس کی بنیاد ڈالی اور بہ لحاظ ثبوت احکام ان کے مراتب کی تفریق کی۔ ان کے اصول تنقید بہت سخت تھے۔ اس لئے متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا گیا۔

امام صاحبؒ کے قلیل الروایۃ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں " والامام ابوحنیفہ انما قلت روایتہ لما شدد فی شرط الروایۃ والتحمل" یعنی امام ابو حنیفہؒ سے روایت کم ہے اس لئے کہ انہوں نے روایت اور تحمل کی شرط میں سختی کی ہے۔ وہ شرائط کیا ہیں؟ امام طحاوی نقل کرتے ہیں "حدثنا سلیمان بن شعیب حدثنا ابی املاء علینا ابو یوسف قال قال ابوحنیفۃ لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظہ من یوم سمعہ الی یوم یحدث" یعنی امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنا چاہئے۔ جب تک کہ سننے کے دن سے بیان کرنے کے دن تک یاد نہ ہو — امام صاحبؒ کا عمل اسی اصول پر تھا۔ چنانچہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں " وقد کان الامام ابوحنیفۃ یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل العمل بہ ان یرویہ عن ذلک الصحابی رضؓ جمع اتقیاء عن مثلہم وھکذا" جو حدیث حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اس کے متعلق امام صاحب عمل سے پہلے یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے مسلسل نقل کرتی چلی آئی ہو۔ عمل بالحدیث کی جس شرط کا علامہ شعرانی نے تذکرہ فرمایا ہے اس کو علامہ ذہبی نے خود امام صاحب سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں: اخذ بکتاب اللہ فما لم اجد فبسنۃ رسول اللہ والآثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابہ اخذ بقول من شئت وما اذا انتھی الامر الی ابراھیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتہد کما اجتہدوا۔

میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کی ان صحیح حدیثوں سے جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں۔ پھر اگر یہاں نہ مل سکے تو آپؐ کے صحابہ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں، اختیار کر لیتا ہوں — لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی و شعبی، حسن و عطا تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ ان حضرات نے اجتہاد کیا۔ امام صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ صرف ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جو صحیح ہیں اور جن کی اشاعت ثقات کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ علامہ سیوطی کو بھی اعتراف ہے کہ صحیحین کے سب رواۃ بھی اس معیار پر کامل طور سے نہیں اتر سکتے۔ فرماتے ہیں کہ:

ھذا مذھب شدید قد استقر العمل علی خلافہ فلعل الرواۃ فی الصحیحین ممن یوصف بالحفظ لا یبلغون النصف۔

یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ صحیحین کے ان رواۃ کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں نصف تک نہیں پہنچتی۔ امام صاحب کا طرز عمل قابل قبول تھا مگر محدثین جن کا عمل ظاہر حدیث پر ہے بہت سے فروعی مسائل میں امام صاحب پر حدیث کی مخالفت کا الزام لگاتے ہیں۔

حافظ ابن عبد البر مالکی اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کثیر من اھل الحدیث قد استجازوا الطعن علی ابی حنیفۃ لردہ کثیرا من الاخبار الاحاد للعدول لانہ کان یذھب فی ذلک الی عرضھا الی ما اجتمع علیہ من الاحادیث ومعانی القرآن فما شذ من ذلک ردہ وسماہ شاذا۔

بہت سے محدثین نے امام ابو حنیفہ پر اس لئے طعن کیا ہے کہ انھوں نے بہت سے ثقہ شخصوں کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ خبر واحد کو اس باب کی دوسری احادیث و قرآن سے ملا کر دیکھتے تھے۔ اگر اس کا مضمون ان سے مطابقت کھاتا تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اس کو قبول نہ کرتے۔ اور اس کو شاذ حدیث سمجھتے۔ امام صاحب کے ان شرائط و احتیاط کی وجہ سے جن روایات سے وہ استدلال کرتے وہ صحت کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر ہوتی ہیں علی بن جعد جوہری جو امام بخاری اور امام ابو داؤدؒ کے استاد ہیں بیان کرتے ہیں کہ: ابوحنیفۃ اذا جاء بالحدیث جاء بمثل الدر۔

امام اعظم جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ موتی کی طرح چمکتی ہوتی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ امام صاحب کی مسانید بالخصوص کتاب الآثار اور صاحب قاموس علامہ سید مرتضیٰ زبیدی کی کتاب الدرر المنیفۃ فی ادلۃ مذھب ابی حنیفۃ سے لگایا جا سکتا ہے۔

امام صاحب پر ایک بے بنیاد الزام

امام صاحب نے قیاس و اجتہاد کی جو دقیق راہ کھولی تھی اس کی بنا پر عوام محدثین جو ظاہر حدیث ہی کو پیش نظر رکھتے ہیں اور جدید مسائل پر غور و خوض کو معیوب سمجھتے تھے۔ انھوں نے امام صاحب پر یہ الزام لگایا کہ امام صاحب قیاس کے مقابلے میں حدیث کو قبول نہیں کرتے (معاذ اللہ) مگر امام صاحب سے جو اقوال منقول ہیں وہ خود اس دعوے کی تکذیب کرتے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ہر وہ بات جس کے ذریعہ حضور صلے اللہ

علیہ وسلم نے کلام فرمایا، ہم نے سنا ہو یا نہ سنا ہو۔ بسروچشم قبول ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ وہ ایسی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی نے الانتقار میں امام سے یہ روایت بیان کی ہے:
"لعن اللہ من یخالف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ اکرمنا اللہ وبہ استنقذنا"
یعنی اللہ کی لعنت ہو اس پر جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے آپ ہی کے ذریعہ ہمیں اللہ نے عزت بخشی اور آپ ہی کے ذریعہ ہمیں (کفرو شرک سے) بچایا۔

علامہ شعرانی نے میزان میں امام صاحب کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا، واللہ ہم پر جھوٹ و افترا ہے جو شخص یہ الزام لگاتا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں۔ کیا نص کے بعد بھی قیاس کی ضرورت ہوگی؟

البتہ تابعین کے متعلق امام صاحب فرماتے تھے: "ھم رجال ونحن رجال" کیونکہ امام صاحب بھی تابعی ہیں۔

امام محمد نے المبسوط میں بالتفصیل لکھا ہے کہ امام صاحب حدیث صحیح کے مقابل میں کسی بھی رائے کا اعتبار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ علامہ ابن حزم نے فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے۔ کہ وہ حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

ایسے ہی حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ "ان ضعیف الحدیث عندہ (ای ابی حنیفۃ) اولیٰ من القیاس" اور اس کی بکثرت مثالیں مذہب حنفی میں موجود ہیں۔ حدیث وضوء بالقہقہہ فی الصلوٰۃ۔ حدیث وضو بنبیذ التمر وغیرہ کو باوجود ضعیف ہونے کے امام صاحب نے قیاس پر مقدم کیا ہے اس کی تفصیل کرتے ہوئے حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: "تقدیم الحدیث الضعیف واثار الصحابۃ علی القیاس والرائے قولہ (ای قول الامام ابی حنیفۃ رح) واحمد" یعنی امام ابو حنیفہ و امام احمد دونوں کے نزدیک حدیث ضعیف و آثار صحابہ کو قیاس و رائے پر مقدم رکھا گیا ہے۔ البتہ حدیث ضعیف کی تعریف میں علماء سلف و متاخرین کا اختلاف ہے۔ متاخرین جس حدیث کو حسن کہتے ہیں وہ متقدمین اپنی اصطلاح میں ضعیف کہتے ہیں۔

علامہ ابن حزم و حافظ ابن قیم ان دونوں نے امام صاحب کے مسلک پر بکثرت تنقیدیں کی ہیں مگر انہیں بھی اعتراف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک حدیث ضعیف قیاس پر مقدم ہے۔ حدیث مرسل کو قبول کرنا اور قیاس و رائے پر مقدم کرنا حنفیہ کا مشہور و معروف ضابطہ ہے۔ حالانکہ امام شافعی نے اس کو قبول کرنے کے لئے شرائط مقرر کئے ہیں۔ اور محدثین کی ایک جماعت نے بالکل ہی ترک کر دیا۔

امام اعظم اور فن جرح و تعدیل

اگرچہ اس فن کا آغاز دور صحابہ و تابعین میں ہو چکا تھا مگر تابعین کے دور اخیر میں باقاعدہ اس فن کی ابتدا ہوئی حافظ سخاوی لکھتے ہیں کہ جب تابعین کا آخری دور آیا۔ یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق و تضعیف کے لئے زبان کھولی۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ "ما رأیت اکذب من جابر الجعفی" میں نے جابر جعفی سے جھوٹا نہیں دیکھا۔ امام ترمذی نے بھی اس کو کتاب العلل میں نقل کیا ہے۔

مسانید امام اعظم رح

امام صاحب کی متعدد تصانیف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو ان کے حالات کے ساتھ مذکور ہیں۔ مگر ہمیں یہ بتانا ہے کہ آیا فن حدیث پر کوئی مجموعہ موجود ہے یا نہیں؟ عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے جس طرح فقہ کو باقاعدہ مرتب و مدون کرایا اس کو امام صاحب کے تلامذہ بالخصوص قاضی ابو یوسف و امام محمد نے اپنی تصانیف میں جمع کر دیا ہے۔ امام شافعی نے بالکل صحیح فرمایا ہے: "الناس عیال لابی حنیفۃ فی الفقہ" بعد کے سب آنے والے فقہ میں امام ابو حنیفہ کے خوشہ چیں ہیں۔ اسی طرح حدیث کا سرمایہ جو منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔ اس کو بھی باقاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب کرایا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہ اول من دون علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک بن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق ابا حنیفۃ احد۔"

امام ابو حنیفہ کے ان مناقب خصوصی میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور ان کو ابواب پر ترتیب دیا۔ پھر امام مالک نے موطا کی ترتیب میں انھیں کی پیروی کی اور اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔ علامہ کوثری نے ان مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ ان سب کے مسانید متصل ہیں۔ ان مسانید کو امام صاحب کے تلامذہ نے جمع کیا تھا۔ محدث خوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ جو ان مسانید کے جامع ہیں۔ ابتدار کتاب میں لکھتے ہیں کہ "میں نے شام کے بعض جاہلوں سے سنا کہ وہ امام اعظم کی تنقیص کرتے ہیں۔ اور ان پر قلت روائت حدیث کا الزام لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسند شافعی اور موطا مالک تو مشہور ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ کی کوئی مسند نہیں۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے صرف چند احادیث کی روائت پر اکتفا کیا ہے۔ اس لئے میری دینی حمیت نے آمادہ کیا کہ امام صاحب کی ان پندرہ مسانید کو یکجا جمع کر دوں جن کو بڑے بڑے علماء حدیث نے جمع کیا ہے۔" ان جامعین کے حالات بھی خوارزمی نے بیان کر دیئے ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) امام صاحب کے صاحبزادے حماد کی مسند (۲) امام ابو یوسف کی کتاب الآثار۔ (۳) مسند حسن بن زیاد لؤلؤی (۴) امام محمد کی کتاب الآثار۔

ان حضرات نے براہ راست امام صاحب سے روائت کی ہے۔

(۵) مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی بخاری جو عبداللہ الاستاد کے لقب سے مشہور ہیں اور ابو حفص کبیر کے شاگرد ہیں۔

(۶) مسند حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی صاحب کتاب الحلیہ۔

(۷) مسند ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر۔
(۸) مسند حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی (۹) مسند عمر بن حسن اشنانی (۱۰) مسند ابو الحسین محمد بن جعفر۔

ان چھ حضرات کا شمار حفاظ حدیث میں ہے۔

(۱۱) مسند ابوبکر احمد بن محمد کلاعی (۱۲) مسند حافظ ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری (۱۳) مسند حافظ سعدی (۱۴) مسند حسین بن محمد خسروی (۱۵) مسند

علوم اسلامیہ اور ان کی بقا کے لئے اُمّت کے فرائض

مولانا سید حامد میاں صاحب لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ ربّ العلمین و الصلوٰۃ و السّلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمّد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

امّا بعد! ایک مسلمان اگر یہ معلوم کرنا چاہے کہ میرے معبود حقیقی کو کیا چیز پسند ہے اور کیا ناپسند ہے تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مشکوٰۃ نبوّت کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ بہت سے امور ایسے ہیں۔ جو انسانی عقل کے ادراک سے باہر ہیں۔

مثال کے طور پر نماز ایک اہم ترین رکن اور محبوب ترین عبادت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک سوائے صبح کی چار رکعتوں کے اور نوافل پڑھنا چاہے اسی طرح عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک سوائے عصر کی نماز کے اور نفلیں پڑھنی چاہے تو اسے بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ حالانکہ بظاہر وہ نماز ہی پڑھ رہا ہے اور خدا کی یاد میں مصروف ہے۔

اسی طرح بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حق تعالیٰ کو پسند یا ناپسند تھیں اور عقل انسانی اس کے ادراک سے قاصر تھی۔ اس لئے باری تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور ہمارے نبی آخرالزمان سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اتنی وضاحت سے احکام بتلائے کہ اس قسم کی کسی چیز کی کمی نہ رہے۔

آپ کے بعد صحابۂ کرام اور اُن کے شاگردوں نے ان ہی علوم نبویہ کی اشاعت کی ان پر عمل پیرا رہے۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں یہ علوم لے کر پھیلتے چلے گئے۔ ان کے بعد با عمل علماء سلسلہ وار اس علم و عمل کے حامل رہے حتیٰ کہ ہمارا زمانہ آیا۔ صحابۂ کرام کے شاگردوں سے لے کر آج تک ایسے تمام علماء کے حالات ان کے علم و عقل کا توازن اور عملی پہلو کا جائزہ ہر زمانے میں لیا جاتا رہا ہے۔ اس پر بہت کتابیں لکھی گئیں۔ کاوشیں کی گئیں اور اس علم کا نام "اسماء الرجال" رکھا گیا۔ اور بے سند علم کو معتبر نہیں شمار کیا گیا۔ جیساکہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اِنَّمَا الۡعِلۡمُ بِالتَّعَلُّمِ (بخاری)

یعنی (علوم دینیہ میں معتبر) علم سیکھنے سے آتا ہے۔

یہی علماء وہ مقدس حضرات ہیں۔ جنہیں وارث علوم نبویہ کہا جائے تو بجا ہوگا۔

یہی وہ علم ہے جس کا سیکھنا ہی خود بڑی عبادت ہے اور عنداللہ سب سے اعلیٰ فضیلت ہے۔

جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کا ایک ایسے ہی موقعہ پر ارشاد ہے۔

اَنَا اَعۡلَمُکُمۡ بِاللّٰہِ (بخاری صـ)

میں تم سب سے زیادہ خدا کی معرفت رکھتا ہوں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استدلال فرمایا کہ علم اور معرفت دل کا کام ہے اس پر بھی دوسری نیکیوں کی طرح اجر ملتا ہے بلکہ یہ سب سے افضل نیکی ہے اور سب کی جڑ ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے

هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (سورۂ زمر پارہ ومالی رکوع ۱۵)

کیا علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں۔

ارشاد ہوا ہے

وَمَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ پ۲۰ ع ۱۶

اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جو علم والے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صـ۱۶ پر علم کی فضیلت بیان کرنے کے لئے ایک باب تحریر فرمایا ہے اس میں آیات واحادیث کے جملے لے کر ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلۡعِلۡمُ قَبۡلَ الۡقَوۡلِ وَ الۡعَمَلِ لِقَوۡلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔

فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ فَبَدَاَ بِالۡعِلۡمِ وَاِنَّ الۡعُلَمَآءَ هُمۡ وَرَثَةُ الۡاَنۡبِیَآءِ وَرَّثُوا الۡعِلۡمَ مَنۡ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ وَمَنۡ سَلَكَ طَرِیۡقًا یَّطۡلُبُ بِهٖ عِلۡمًا سَهَّلَ اللّٰہُ طَرِیۡقًا اِلَی الۡجَنَّةِ۔

علم یعنی جاننا بولنے اور عمل کرنے (دونوں ہی) سے پہلے (ضروری) ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، فَاعۡلَمۡ یعنی "جانئے" کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ پہلے "فَاعۡلَمۡ" فرما کر "علم" کو مقدم فرمایا۔ اور یہ کہ علماء ہی یقیناً انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ انبیاء نے علم کا ترکہ چھوڑا ہے۔ جس نے علم حاصل کیا اُس نے بڑا حصہ حاصل کیا۔ اور جو علم حاصل کرنے کے لئے راستہ چلتا ہے اللہ تعالےٰ جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

ارشاد ربّانی ہے۔

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا

سورۂ فاطر پارہ (ومن یقنت) رکوع نمبر ۱۶

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

یہی وہ علم ہے۔ جس کی اشاعت کے کے بارے میں دربار رسالت سے حکم ہوا۔

لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الۡغَآئِبَ :۔ بخاری صـ۱۶

جو موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک پہنچائیں۔

لہذا سب سے پہلے صحابۂ کرام نے اشاعت علوم دینیہ میں مستعدی سے کام لیا۔ اور اُس پر عمل کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

قَالَ اَبُوۡ ذَرٍّ لَوۡ وَضَعۡتُمُ الصَّمۡصَامَةَ عَلٰی هٰذِهٖ وَ اَشَارَ اِلٰی قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ اُنۡفِذُ کَلِمَةً سَمِعۡتُهَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَ سَلَّمَ قَبۡلَ اَنۡ تُجِیۡزُوۡا عَلَیَّ لَاَنۡفَذۡتُهَا۔ (بخاری صـ۱۶)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس پر تلوار رکھ دو (اور اپنی گدّی کی طرف اشارہ فرمایا) پھر میں یہ اندازہ کروں۔ کہ میں ایک کلمہ بھی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے تلوار چلنے سے پہلے زبان

سے ادا کر سکتا ہوں تو میں ضرور زبان سے ادا کر دوں گا۔

اسی بنا پر اس علم کے حاصل کرنے کے لئے صحابۂ کرام تک نے بھی سفر کئے ہیں۔

رَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ مَسِیْرَۃَ شَہْرٍ اِلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُنَیْسٍ فِیْ حَدِیْثٍ وَّاحِدٍ۔ (بخاری، ص۱۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس صرف ایک حدیث کے لئے ایک ماہ کی مسافت والا سفر کیا۔

علم دین حاصل کرنے میں صحابیات کے شغف کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ یَمْنَعْهُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ یَّتَفَقَّهْنَ فِی الدِّیْنِ۔ (بخاری ص۲۴)

انصار کی عورتیں بہت ہی اچھی ہیں انہیں دین میں گہری بصیرت (فقہ) حاصل کرنے سے شرم مانع نہیں ہوتی۔

اسی لئے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

لَا یَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْیٍ وَّلَا مُسْتَکْبِرٌ (بخاری ص۲۴)

سیکھنے میں شرمانے والا اور متکبر علم نہیں حاصل کر سکتے۔

غرض یہ چند سطور اس لئے لکھی گئی ہیں کہ علم دین کی فضیلت معلوم ہو اور ہر آدمی چاہے وہ جس عمر کا ہو اور کسی بھی حیثیت کا ہو علم دین حاصل کرنے میں دریغ نہ کرے اپنے مشاغل جاری رکھتے ہوئے بھی علم کے لئے تھوڑا بہت وقت نکالے اور ایسے علماء سے جو متبع سنت ہوں علم حاصل کرنے کے لئے رجوع کرے یہ نیکی عند اللہ سب سے بڑی نیکی ہے۔ اور اس کے افضل ہونے کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث سے ملتا ہے

ہم ایسے دور سے گذر رہے ہیں جو پر فتن ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ اَوْ لَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِہٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا یُسْتَجَابُ لَکُمْ۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۶ والترمذی)

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ باری تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجیں پھر تم اس سے دعا مانگو گے اور تمہاری دعا قبول نہ ہو گی۔

یہ کس قدر ہیبت ناک وعید ہے کہ دعا بھی قبول نہ ہو۔

اس کی ہم مضمون بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی سے روکنا اور اچھائی کی تعلیم دینا ضروری ہے۔ ورنہ شدید گرفت کا اندیشہ ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَۃَ کَذَا بِاَهْلِهَا فَقَالَ یَا رَبِّ اِنَّ فِیْهِمْ عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَۃَ عَیْنٍ قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَۃً قَطُّ۔ (مشکوٰۃ عن البیہقی ص۴۳۹)

باری تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ فلاں شہر کو باشندوں سمیت پلٹ دو۔

وہ عرض کرنے لگے کہ ان میں تیرا فلاں بندہ ہے جس نے ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس پر اور (تمام) باشندوں پر پلٹ دو کیونکہ وہ میری نافرمانی دیکھتا تھا اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ میری نافرمانی دیکھ کر اس نے منہ بھی بسورا ہو۔

یہ اہم ترین کام بغیر کمال علمی کے انجام دینا ممکن نہیں۔ عام اور معمولی حالات میں تو ہر آدمی اپنے ساتھی اور گھر کے افراد کی غلطی پہچان سکتا ہے۔ اور بتلا سکتا ہے لیکن یہ بہت ہی معمولی باتوں تک محدود ہے۔ اگر یہ دین۔ خرید و فروخت اور معاملات کے ہزاروں مسائل دیکھے جائیں تو ایک نیک آدمی باوجودیکہ وہ نیک ہوتا ہے ان سے بالکل ناآشنا رہتا ہے۔ اور اسے ان چیزوں میں علماء کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے باری تعالےٰ نے ہر گروہ اور علاقہ میں سے ایک آدھ آدمی پر علم دین سیکھنا فرض فرما دیا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْهُمْ طَائِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ۔ (سورہ توبہ پ۱۱ ع ۱۵)

تو ایسا کیوں نہیں کیا کہ جدا جدا آبادیوں میں سے ایک ایک حصہ نکلتا تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں تاکہ وہ بچتے رہیں جب اپنی قوم میں لوٹ کر آئیں تو انہیں خبر پہنچائیں۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ آل عمران پارہ لن تنالوا رکوع ۲)

اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی کہ جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے۔ اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برائی سے منع کرتی رہے اور یہی لوگ اپنی مراد پانے والے ہیں۔

اس لئے آپ جملہ معاونین مدارس پر ضروری ہوتا ہے کہ اپنی اولاد میں جس طرح دنیاوی علوم کا شوق پیدا کر کے دوسری تعلیم دلاتے ہیں دینی تعلیم بھی دلائیں۔

اگر اعلیٰ حیثیت اور اعلیٰ خاندانوں والے افراد اس طرف توجہ نہیں کریں گے۔ تو اس بے توجہی سے پیدا ہونے والے نقصانات کی ذمہ داری اُن ہی پر عائد ہو گی اور ایسے علماء کا فقدان جو اعلےٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہوں اور اونچی حیثیت کے گھرانوں کے چشم و چراغ ہوں۔ ایک طرح کا وبال بن سکتا ہے۔ کیونکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر طبقہ کو کھٹکھٹایا جا سکے اور بے دھڑک احکام الٰہیہ ہر سطح کے لوگوں تک پہنچائے جا سکیں اور یہ بات پوری طرح اسی وقت حاصل ہو گی جب ہر طبقہ میں علماء کا وجود ہو اور ایسے وقت کہ جب لوگ غفلت میں ہوں خدمت دین کرنے والوں کو انتہا درجہ بڑے ثواب کی بشارت دی گئی۔ حدیث میں ارشاد ہوا

سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّۃِ قَوْمٌ لَهُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِهِمْ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقَاتِلُوْنَ اَهْلَ الْفِتَنِ (مشکوٰۃ عن البیہقی ص۵۸۴)

اس اُمت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے کہ اُنہیں اُن جیسا اجر مل جائے گا جو پہلوں کو ملا ہے۔ وہ لوگ وہ ہوں گے جو اچھی باتیں بتلائیں گے برائی سے روکیں گے اور فتنہ پردازوں سے مقابلہ کریں گے۔

نیز ایسے ہی لوگوں سے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ان کی تسلی کے لئے ارشاد فرمایا:۔

مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ۔ (مشکوٰۃ عن الترمذی ص۵۸۳)

میری اُمت کی مثال بارش کی سی ہے کہ یہ نہیں پتہ چلتا کہ بارش کا پہلا حصہ زیادہ بہتر تھا یا آخری حصہ

عرفانِ حکمت

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفےٰ ۔ امّا بعدُ

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت عمرؓ کے کثرت روائت سے منع کرنے کی مصلحت

حافظ بن عبد البر مالکی نے لکھا ہے کہ کثرت روائت سے ممانعت اور قلت روائت کا حکم حضرت عمرؓ نے اس لیے دیا تھا کہ کثرت کی صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کے منسوب ہو جانے کا اندیشہ تھا نیز اس کا بھی خوف تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کو اچھی طرح محفوظ نہ ہوں، اس قسم کی حدیثوں کے بیان کرنے پر لوگ جری ہو جائیں گے

مگر علامہ ابن حزم نے یہ روائت درج کی ہے دوی عن عمرؓ انہ حبس ابن مسعودؓ من اجل الحدیث عن النبیؐ وابا الدرداء وابا ذر حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرنے سے ابن مسعودؓ، ابو درداءؓ، ابو ذرؓ کو قید کر دیا تھا یا روک دیا تھا۔

علامہ حزم فرماتے ہیں کہ ان روایات کا حضرت عمرؓ کی طرف انتساب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے راوی ابراہیم بن عبد الرحمٰن کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں۔ کیونکہ ابراہیم کی ولادت حضرت عمر کے اخیر دورِ خلافت ۲۰ھ میں ہوئی ہے اس لئے ان سے سماع کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اس طرح کی بعض دوسری روائتوں کو درج کر کے لکھا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے: جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم نہیں تھا اور بدعات (نئی باتوں) کے پیدا کرنے کا جن میں زیادہ شوق پایا جاتا تھا، سنت یعنی حضورؐ کی حدیثوں سے جن کے قلوب میں گرانیاں تھیں۔ انھوں نے مذکورہ بالا روائتوں سے جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہیں یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے دین سے حدیثوں کو بالکلیہ خارج کرنا چاہتے تھے۔ آخر میں حافظ نے لکھا ہے کہ روائتوں کی صحت مشکوک ہے۔ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بالآخر اجازت دے دی تھی۔ پھر ان تینوں حضرات کو کس طرح روک سکتے تھے، کیونکہ ابو دردا اور ابو ذر سے زیادہ روایات مروی نہیں ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا معلم بنا کر بھیجا تھا۔

کیا قبول حدیث کے لئے صحابہؓ نے مزید شرائط مقرر کئے تھے؟

شیخین حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے حدیث کو قبول کرنے کے لئے دو راوی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ قسم لیتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات کا مسلک جمہور صحابہؓ کے خلاف نہ تھا، ہر صحابی دوسرے پر اعتماد کرتا تھا۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جدّہ (دادی)، کی وراثت کے مسئلے میں حضرت ابو بکرؓ نے تنہا حضرت مغیرہؓ کی حدیث سنی تو دریافت فرمایا ھل معک احدٌ، کیا تمہارے ساتھ اس خبر کے بیان کرنے میں کوئی دوسرا بھی شریک ہے۔ تو محمدؓ بن مسلمہ نے بھی اس کی شہادت دی، اس مسئلے کے سوا اور کہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ثابت نہیں کہ انھوں نے کسی صحابی کی روائت سن کر اس پر شہادت طلب کی ہو، اس روایت کی سند کو علامہ ابن حزم نے منقطع قرار دیا ہے۔ اگر روائت کی صحت کسی درجے میں تسلیم کر لی جائے تو امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر توقف کے مختلف احتمالات ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ خبر واحد کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قبول فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا قسم لینا مزید اطمینان کی تدبیر تھی۔ بجنسہ یہی حضرات ابو بکر کا طرزِ عمل تھا۔ اس لئے آپ نے چاہا اور کوئی صاحب جانتے ہوں تو بیان کر دیں تاکہ رازی نے یہ روائت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے دو صحابیوں کے درمیان فیصلہ کیا۔ جب حضرت بلالؓ نے بتایا کہ حضورؐ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے تو رجوع کر لیا، اسی طرح مذی کے مسئلہ میں بغیر قسم لیے ہوئے حضرت مقدادؓ کی روائت کو حضرت علیؓ نے قبول کیا ہے۔ حضرت عمر کے متعلق صرف دو واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں انھوں نے ایک راوی پر مزید دوسرے کی گواہی طلب کی۔

(۱)، ابو موسیٰ اشعریؓ کا دلچسپ واقعہ ہے۔ جس کو حضرت ابو سعید خدری نے بیان کیا ہے کہ ابو موسیٰ نے حضرت عمر کو دروازے کے باہر سے تین مرتبہ سلام کیا جب تیسری مرتبہ جواب نہ ملا تو واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمر نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا اور ان کو واپس بلایا اور یہ فرمایا کیوں واپس لوٹ گئے تھے؟ ابو موسیٰ اشعری نے جواب دیا کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوتے سنا ہے کہ: اذا سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اس پر شہادت پیش کرو ورنہ تمہارے ساتھ میں کچھ کروں گا۔ پس ابو موسے ہمارے پاس (انصار کا ایک مجمع تھا) آئے۔ ان کے چہرے کا رنگ متغیر تھا، ہم نے کہا کہ کیا حال ہے؟ ہمارے سامنے پورا واقعہ سنایا اور دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہے؟ ہم نے کہا ہم سب نے سنی ہے۔ پس لوگوں نے اس مجمع میں سے ایک صاحب کو بھیجا تو انھوں نے جا کر حدیث سنائی (رواہ مسلم)، اس روائت میں اتنا اضافہ ہے: امانی لم اتھمک ولکنی خشیت ان یتقول الناس علیٰ رسول

حضرت عمر نے فرمایا کہ تم معلوم ہونا چاہیئے کہ غلط بیانی میں تم کو متہم نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ رسول اللہ کی طرف لوگ جھوٹی باتیں منسوب نہ کرنے لگیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت اُبیؓ نے حضرت حضرت عمر پر اعتراض کیا تھا۔ بعض میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میرا مقصود تثبیت تھا۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے دیت جنین کے متعلق جب حضرت مغیرہ نے حدیث سنائی تو حضرت عمر نے ان سے شہادت طلب کی۔ پس محمد بن مسلمہ نے شہادت دی۔

بہر حال حضرت عمرؓ کا مقصود بھی اس طرز عمل سے یہی تھا کہ روایت حدیث میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ بہت سے مواقع پر حضرت عمر نے صرف ایک صحابی کی روایت پر عمل ہے۔ سفر شام میں جب مقام سرغ پر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں طاعون ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے جب حضورؐ کی حدیث سنائی تو سن پر واپس آگئے۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام مسلسل ایک راوی کی روایت پر اعتماد کرتے رہے اس کے بکثرت واقعات ہیں۔ اس عنوان پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے ان روایتوں کو الکفایہ میں مستقل ایک باب میں جمع کیا ہے

اخبار آحاد کا مرتبہ

اصطلاح میں خبر واحد اس خبر کو کہتے ہیں جو متواتر نہ ہو۔ اگر تواتر کا عدد کسی طبقے میں پورا نہ ہو تو اس کو خبر واحد ہی کہا جائے گا، خواہ کتنے ہی افراد سے روایت کی گئی ہو، حضورؐ و صحابہؓ کرام نے اس کو قابل اعتماد سمجھا ہے اور ہر زمانے کے علماء و فقہا نے واجب العمل قرار دیا ہے۔ امام شافعی نے اپنی تصنیف الرسالہ میں بہت آیات و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ اخبار آحاد قابل اعتماد اور واجب العمل ہیں حضور نے مختلف جگہوں پر لوگوں کو دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔

اس میں عدد کا کوئی لحاظ نہیں فرمایا۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ خبر واحد حجت شرعی ہے۔ اگرچہ اس کے اندر خطا امکان عقلی موجود ہو مگر عقل و فطرت انسانی کے نزدیک اس قسم کے احتمال عقلی کا کوئی اعتبار نہیں اور عرفاً اس کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

معتزلہ وغیرہ جو اخبار آحاد کی افادیت کے منکر ہیں ان پر شیخ الاسلام علامہ بزدوی کی بات پورے طور پر صادق آتی ہے من انکر الخبر الواحد فانہ رجل سفیہ لا یعرف نفسہ ولا دینہ ولا دنیاہ ولا امہ ولا اباہ۔

جس نے خبر واحد کا انکار کیا وہ دراصل ایک بے وقوف آدمی ہے۔ اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانتا۔ نہ اپنے دین کو نہ دنیا کو۔ نہ اپنی ماں کو اور نہ اپنے باپ کو۔

محدثین اخبار آحاد کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اس کے ساتھ قرائن نہ ہوں تو ظن کا فائدہ دیتی ہے، جس طرح خبر متواتر یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ مگر وہ ظن جس کا فائدہ اخبار آحاد دیتی ہے وہ یقین سے زیادہ قریب ہے محدثین نے اس کو ظنی اصطلاحی معنی میں قرآنیات کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے کہاں وہ ظنی اصطلاح اور کہاں یہ بول چال والا گمان جو شک و شبہ اور بے اعتباری کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ دونوں کو ایک درجہ کی چیز سمجھنا نہایت ہی جہالت ہے۔ جیسے کوئی قیاس کو محض اٹکل کے معنی میں لے کر قیاس منطقی کی جو استدلال کی مستقل شکل ہے، ہنسی اڑانے لگے، یہ تمسخر فن منطق پر نہ ہوگا۔ بلکہ اپنی بے علمی پر ہوگا۔ اگر خبر واحد پر اعتماد نہ کیا جائے تو بہت سے دنیاوی معاملات معطل ہو کر رہ جائیں گے۔

کتابت حدیث

حدیث کے متعلق بے اعتمادی پھیلانے والے کی طرف سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ حدیثیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قلم بند نہیں کی گئی تھیں۔ بلکہ لکھنے کی خود آپؐ نے ممانعت فرما دی تھی۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

(ترجمہ) مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے وہ اسے چاہیئے کہ مٹا دے اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو، اس میں کچھ حرج نہیں۔ اور جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بولا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا لے۔

امام بخاری وغیرہ دوسرے محدثین کے نزدیک اس روایت پر کلام ہے۔ ان کی تحقیق میں یہ الفاظ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہے بلکہ خود ابو سعید خدری کے ہیں۔ جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کر دیا ہے۔ لیکن بالفرض اگر اس حدیث کو موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی یہ ممانعت وقتی و عارضی تھی، جو اس زمانے میں خاص طور سے حفاظت قرآن کے سلسلے میں دی گئی تھی چونکہ حق تعالیٰ نے حضورؐ کو جوامع الکلم عطا فرمائے تھے۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ یہ نئے نئے لوگ جو ابھی ابھی قرآن سے آشنا ہو رہے ہیں۔ کہیں دونوں کو خلط ملط نہ کریں۔ ادھر آپؐ کو اپنی قوم کے حافظے پر اعتماد تھا۔ مگر جب قرآن سے اشتباہ کا اندیشہ جاتا رہا تو کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی۔ بلکہ روایات سے آپ کا خود لکھوانا و املا کرانا ثابت ہے۔

(۱) جامع ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیٹھتے۔ آپ کی باتیں سنتے اور بہت پسند کرتے۔ مگر یاد نہ رکھ پاتے۔ آخر انھوں نے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کی کہ یا رسول اللہ میں آپؐ سے حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا۔ اس پر آپ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ "استعن بیمینک واومأ بیدہ للخط اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو۔ اور اپنے دست مبارک سے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔

(۲) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ نبوی میں شکایت کی کہ یا رسول اللہ انا نسمع

منک اشیاء فنکتبھا۔ یارسول اللہ ہم آپ کی زبانی بہت سی باتیں سنتی ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت رافع بن خدیج کے بیان سے معلوم ہوا کہ متعدد اشخاص کا دستور تھا کہ وہ حدیثیں سن کر لکھ لیتے تھے۔

(۳) حاکم صاحب مستدرک نے حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ "قیدوا العلم بالکتاب" علم کو قید کتابت میں لے آؤ۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہ مسلّم ہے کہ قرآن مجید کی طرح حدیث کی تدوین کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ چونکہ نہی واجازت دونوں روایات سے ثابت ہے۔ اس لئے اکثر لوگوں نے نہی کو منسوخ سمجھا۔ البتہ بعض علماء کا خیال تھا کہ نہی ان لوگوں کے لئے ہے جن سے قرآن و سنت میں التباس و غلطی کا امکان تھا۔ اور جن سے متعلق اطمینان تھا، انھیں لکھنے کی اجازت تھی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی طرح حدیث کی کتابت میں زیادہ اہتمام و عمومیت کا رنگ نہیں دیا گیا۔ بلکہ انفرادی و شخصی طور پر لکھنے کی اجازت تھی اس کے مطابق بعض لوگوں نے لکھا۔ اس کی تائید ضحاک کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا "لا تتخذوا للحدیث کراریس ککراریس المصاحف"۔ تم لوگ حدیث کے لئے کاپیاں نہ بناؤ جس طرح کی مصاحف کی کاپیاں ہیں۔

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا احکام و ہدایات کو قلم بند کرا دینا

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کتابت حدیث کی اجازت دی تھی، بلکہ بہت سے مواقع پر آپ کا لکھوا دینا اور املا کرانا بھی ثابت ہے۔

(۱) فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ایک خطبہ دیا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ابو شاہ یمنیؓ ایک صحابی کی درخواست پر آپؐ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا تھا۔

(۲) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی دیت میں بیوی کو کیا دلایا ہے؟ ضحاک بن سلیمان نے کھڑے ہو کر کہا کہ مجھے معلوم ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا۔

(۳) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جب ۱۰ھ میں جب آپؐ نے نجران پر عامل بنا کر بھیجا، تو ایک تحریر لکھوا کر ان کے حوالے کی تھی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں کہ "کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الصدقات والدیات والفرائض والسنن لعمرو بن حزم وغیرہ"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے لئے صدقات، دیات، فرائض و سنن کے متعلق ایک کتاب تحریر کرائی تھی۔ محمد بن شہاب زہری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے ابوبکر بن حزم کے پاس موجود تھی۔ وہ یہ کتاب میرے پاس بھی لے کر آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا تھا۔

علامہ زیلعی بعض حفاظ سے ناقل ہیں کہ عمرو بن کی کتاب کے نسخہ کو ائمہ اربعہ نے قبول کیا ہے۔ اور نسخہ بھی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے نسخے کی طرح متوارث ہے۔

(۵) حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر قبیلہ جہینہ کی طرف یہ لکھوا کر بھیجا تھا کہ مردار کی کھال اور پٹھوں کو کام میں نہ لایا جائے جامع ترمذی میں وفات سے دو ماہ قبل مذکور ہے۔

ہم نے ان چند تحریروں کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ ورنہ مختلف قبائل و افراد کے نام خطوط و تحریری احکام اور صلحنامے وغیرہ جو آپؐ نے وقتاً فوقتاً لکھوائے ہیں، ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ اس پر مستقل علماء نے کتابیں لکھی ہیں۔

صحابہ کرامؓ اور کتابت حدیث

چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کتابت حدیث کی عام اجازت دے دی گئی تھی۔ اس لئے بہت سے حضرات صحابہ نے انفرادی و شخصی طور پر حدیثوں کے مجموعے تحریری شکل میں تیار کئے تھے اور بعض حضرات نے اپنے تلامذہ کے ذریعہ قلم بند کرایا تھا۔

مگر واقعہ ہے کہ دور صحابہ میں کتابت حدیث کا عام رواج نہ ہوا، اس کے مختلف اسباب ہیں: (۱) صحابہ کرام کی جماعت مختصر تھی۔ انھیں دین سارے عالم میں پہنچانا تھا۔ تصنیف وتالیف کے لئے سکون و اطمینان کی ضرورت ہے (۲)، وہ حافظے کے نہایت قوی تھے۔ انھیں کتابت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ (۳)، عام طور پر عربوں میں لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے بھی اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو العاص کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو احادیث یاد نہیں، مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیث کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے اور میں لکھتا تھا۔ ابوداؤد و مسند احمد میں ہے کہ بعض صحابہ نے عبداللہ بن عمرو العاص سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوش ہوتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو۔ عبداللہ بن عمرو العاص نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو نے اپنے اس صحیفہ کا نام صادقہ رکھا تھا۔ اور کہا کرتے تھے کہ مجھے زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر رکھی ہے، جس میں ایک صادقہ ہے۔ اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر میں نے لکھا ہے۔ یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبد کو ملا تھا اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں جتنی روایتیں اس سلسلہ سے منقول ہیں وہ سب صحیفہ صادقہ کی حدیثیں ہیں۔

(۲) مسعید بن ہلال کا بیان ہے کہ ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک نوشتہ نکالتے اور فرماتے کہ یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنیں اور ان لکھا اور لکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کر چکا ہوں۔

(۴) امام ترمذی نے کتاب العلل میں عکرمہ سے یہ نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس کے پاس طائف کے کچھ لوگ ان کی کتابوں کو لے کر حاضر ہوئے اور ان کے سامنے ان کی کتابوں کو پڑھنے لگے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک صحیفہ تھا۔ جس کے متعلق ان کا خود بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بجز قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں درج ہے۔ اس کے سوا مہ اور کچھ نہیں لکھا۔ یہ صحیفہ چمڑے کے ایک تھیلہ میں تھا۔ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار مع نیام کے رکھی رہتی تھی۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۶) حافظ بن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام حسن بصریؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت ثمرہ بن جندب سے حدیث کا ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے جس کی بیشتر حدیثیں سنن میں منقول ہیں علی بن المدینی اور امام بخاری دونوں نے تصریح کی ہے۔ کہ اس نسخہ کی سب حدیثیں ان کی مسموعہ تھیں۔ لیکن یحییٰ بن سعید القطان اور دیگر علما یہ کہتے ہیں کہ یہ سب نوشتہ سے روائت ہیں۔ اس نسخہ کو امام حسن کے علاوہ حضرت ثمرہ بن جندب کے صاحبزادے سلیمان بن سمرہ بھی ان سے روائت کرتے ہیں۔ حافظ بن حجر فرماتے ہیں:

روی عن ابیہ نسخۃ کبیرۃ

ہم نے صحابہؓ کرام کی چند مشہور تحریروں کا یہاں ذکر کیا ہے اور نہ ان کے تمام نوشتے جن میں کسی حدیث کے لکھنے کا ذکر ہے۔ اس پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

عہدِ نبوت کا تحریری سرمایہ

ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد نبوت اور دور صحابہ میں کس قدر احادیث کا سرمایہ تحریری شکل میں آ چکا تھا۔ اگر غور و فکر اور تحقیق و جستجو سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ حدیث نبوی کی اشاعت جس طرح تواتر عملی و روائت دونوں ذریعوں سے مسلسل ہوتی رہی ہے۔ اسی طرح آج ہمارے پاس جو حدیث کا سرمایہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اس کا غالب ترین حصہ دور نبوت میں قلم بند ہو چکا تھا

حاکم صاحب مستدرک جو نقد روایات میں متساہل مشہور ہیں، وہ اپنے تلاش و جستجو کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کی صحیح حدیثوں کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: "والاحادیث التی فی الدرجۃ الاولیٰ لا تبلغ عشرۃ الاف"۔ اعلیٰ درجہ کی حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچ پاتی۔

ہر طرح کی روایات جو مسانید و جوامع، سنن و معاجم اور فوائد و رسائل میں موجود ہیں جن کی تعداد مجموعی پچاس ہزار سے بھی کم ہے۔ ان تمام کتابوں سے چھان بین کر جو حاکم نے اعلیٰ درجے کی حدیثوں کی پیش کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو بھی سامنے رکھئے کہ عبداللہ بن عمرو العاص کو مجھ سے زیادہ حدیثیں اس لئے یاد تھیں کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔ محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر سے زائد ہے۔ جو قید تحریر میں آ چکی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے علاوہ دیگر صحابہؓ کرام کے نوشتے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکڑوں احکامات و ہدایات جو آپؐ نے املا کرایا تھا۔ ان سب کی مجموعی تعداد اگر جوڑ لی جائے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ دس ہزار سے زیادہ حدیثیں دور نبوی اور عہد صحابہ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں۔

البتہ ایک شبہہ یہاں یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حفاظ حدیث کی روایات کی تعداد ذکر کی جاتی ہے وہاں ان کی تعداد بہت زائد بتائی گئی، مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو سات لاکھ سے زائد قابل اعتماد حدیثوں کا حصہ محفوظ تھا۔ حافظ ابوزرعہ رازی کی حدیثوں کی تعداد سات لاکھ بتائی گئی ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ امام مسلم کا دعویٰ ہے کہ میں نے اپنی جامع صحیح کو تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے۔ حافظ ابن الجوزی ان اعداد کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ان المراد بھذا العدد الطرق لا المتون۔

یعنی ان اعداد سے مراد حدیثوں کے متون نہیں بلکہ طرق و اسانید مراد ہیں۔ مثلاً ایک ہی حدیث کو کسی شخص نے دس شاگردوں سے بیان کیا تو محدثین کی اصطلاح میں اس کے دس طرق و دس اسانید ہو گئے اور ایک کے بجائے ان مختلف طریقوں سے اس کا شمار کیا جائے گا۔ جیسے "انما الاعمال بالنیات" کی حدیث سات سو طریقوں سے روائت کی گئی ہے۔ اس لئے اس ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے۔ یہی حال اکثر و بیشتر حدیثوں کا ہے۔ صحیح بخاری جس کے غیر مکرر روایات کی تعداد دو ہزار چھ سو دو اور صحیح مسلم کی چار ہزار ہے ان دونوں کتابوں کی اکثر روایات میں اشتراک بھی ہے۔ محدث جوزقی نے ان دونوں کتابوں کی احادیث کا استخراج دیگر کتب سے کیا تو اسانید کی تعداد پچیس ہزار چار سو اسی ہو گئی۔

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و فتاوے بلکہ تابعین و تبع تابعین کی چیزوں کو بھی لوگوں نے حدیث کے نیچے درج کیا، اس لئے بھی قدرتاً حدیثوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

تابعین اور کتابتِ حدیث

ایک غلط فہمی یہ پیدا کی جا رہی ہے کہ احادیث کی تدوین و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا۔ اور صحابہ کا زمانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً سو سال تک رہا۔ گویا تابعین کا عہد سو سال بعد شروع ہوا۔ اس طرح تدوین و تحریر کے سلسلہ کا آغاز سو برس بعد ہوا۔ حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے۔ تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا۔ اور صحابہ کی زیارت کی۔ اور ان سے مستفید ہوئے۔ عام اس سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ہوں گے۔ مگر زیارت کا موقع نہیں ملا یا عہد نبوی کے اخیر میں پیدا ہوئے اس لئے آپؐ سے فیضیاب

نہیں ہو سکے یا آپ کی وفات (۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین میں داخل ہیں۔ اس طرح دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد آپؐ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے ۱۱ھ سے جو کام شروع اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ تابعین کا کارنامہ ہونے کے لئے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی سو برس کا زمانہ گزرنے کی حاجت ہے۔ وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے۔ جس کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی صحابہ کے عہد کا خاتمہ ہے۔ جس کے دیدار سے تابعی بنتے تھے۔ الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ کہنا کس درجہ کا دھوکہ ہے کہ مسلمانوں میں احادیث کی تدوین و تحریر کا کام سو برس بعد شروع ہوا۔ تابعین کے ذریعے عائشہ رضؓ کی احادیث ان ہی دونوں کے ذریعہ ابوبکر بن محمد نے جمع کیں۔

ہم نے تابعین کرام کی چند تحریروں اور صحیفوں کے ذکر پر اکتفا کیا ورنہ یہ حضرات مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے انہوں نے صحابہؓ کی زندگی ہی میں ان کی تمام مرویات و واقعات و حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر، ایک ایک کے دروازہ پر جا کر بوڑھے، جوان، عورت و مرد ہر ایک سے تحقیق کر کے ہمارے لئے فراہم کر دیا تھا۔ محمد بن شہاب زہری جو حدیث و سیرت کے بڑے امام ہیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک چیز کو لکھا۔ ابوالزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے — زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے۔ احادیث کو قید تحریر میں لانے والے سینکڑوں تابعین تھے جن میں صرف امام زہری کی تحریروں کا اتنا انبار تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے۔

اگرچہ حفاظت حدیث کے لئے کتابت و حفظ ان دونوں طریقوں کو اختیار کیا گیا تھا، مگر پہلی صدی تک علماء عام طور پر کتابت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ جو کچھ لکھتے تھے اس سے مقصود زبانی یاد کرنا ہوتا تھا۔

امام مالک سلف یعنی بہت سے تابعین کا یہ دستور بیان کرتے ہیں کہ ان میں بعض لوگ حدیثوں کو لکھ کر یاد کرتے تھے اور جب یاد ہو جاتی تھیں تو مٹا دیتے تھے۔ یہ دستور ایک زمانے تک رہا۔ محمد بن سیرین کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کا بھی قاعدہ تھا کہ حدیثوں کو لکھ لیتے تھے "فاذا حفظه محاه" یعنی جب یاد کر لیتے تھے تو مٹا دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عربوں کا حافظہ فطرتاً نہایت ہی قوی تھا۔ علامہ ذہبی نے ابن خزیمہ کے متعلق یہ الفاظ ابوعلی نیشاپوری کے حوالہ سے نقل کئے ہیں کہ "كان ابن خزيمة يحفظ الفقهيات من حديثه كما يحفظ القرآن"۔ فقہی حدیثوں کو ابن خزیمہ اسی طرح یاد کرتے تھے۔ جیسے کہ قاری قرآنی سورتوں کو یاد کرتا ہے۔

قتادہ تابعی فرماتے ہیں کہ اعطى الله هٰذه الامة من الحفظ ما لم يعط احدًا من الامم خاصة خصهم بها وكرامة اكرمهم بها"، یعنی حق تعالیٰ شانہ نے اس امت (امت محمدیہ) کو حفظ و یادداشت کتابت حدیث کو اور زیادہ رواج ہوا۔ اب ہم یہاں ان کے بعض نوشتوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے مشہور شاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ خود ان کی حدیثوں کا تیار کر کے ان کو پڑھ کر سنایا تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عن بشير بن نهيك قال كنت اكتب ما اسمع من ابي هريرةؓ فلما اردت افارقه اتيته بكتابه فقرأت عليه وقلت اهٰذا ما سمعت منك قال نعم۔ میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیثیں سنتا تھا لکھ لیتا تھا۔ پھر جب میں نے اُن سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کو ان کے سامنے پڑھ کر سنایا اور پھر ان سے عرض کیا کہ یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو آپ سے میں نے سنی ہیں۔ فرمانے لگے "ہاں"۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہؒ ہیں جو یمن کے امراء میں سے تھے ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کی حدیثوں کو جمع کیا جو صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس کتاب کا بہت بڑا حصہ اپنی مسند میں داخل کر دیا ہے۔ شیخین نے بھی متفرق طور پر اس سے روایت کیا ہے۔ آج یہ صحیفہ حیدرآباد سے چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے۔

۳۔ سعید بن جبیر مشہور تابعی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضؓ کے پاس بیٹھا ہوا صحیفہ لکھتا رہتا تھا۔

۴۔ سنن دارمی میں مسلم بن قیس کا بیان مذکور ہے "رأيت ابان يكتب عند انس"۔ میں نے ابان کو دیکھا کہ حضرت انس رضؓ کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہیں۔

۵۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن جنہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی گود میں پرورش پائی تھی اور حدیث عائشہ کے باب میں ان کا شمار تقریباً عروہ کے برابر ہے۔ ان ہی عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے علم کو ان کی بہن کے لڑکے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مشہور فرمان کی بنیاد پر (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) جمع کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ان يكتب له في العلم ما عنده من عمرة بنت عبد الرحمٰن والقاسم بن محمد۔ یہ کہ وہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے علم (احادیث) کو ان کے لئے تیار کریں۔

قاسم بن محمد حضرت صدیقہ رضؓ کے بھتیجے تھے اور ان کے پروردہ و تربیت یافتہ تھے جنہوں نے سب کچھ ان سے سیکھا تھا۔ بہر حال حضرت کی غیر معمولی قوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ کہ دنیا کی قوموں اور امتوں کے درمیان (امت اسلامیہ) کا یہ خاص امتیازی سرمایہ ہے۔ جس کے ساتھ خدا نے اس کو مختص کیا اور یہ نوازش ہے جس کے ذریعے نوازا گیا۔

تدوین حدیث

پہلی صدی کے اختتام تک کتابت حدیث کا مسئلہ مختلف فیہ رہا مگر قرآن مجید کی اس قدر اشاعت ہو چکی تھی کہ اب اس سے التباس و اشتباہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور اسلام عرب سے باہر عجم کے بہت سے ملکوں پر حکمران تھا۔ بکثرت لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے نئے مسائل اور نئے حالات سے مسلمانوں کا سابقہ تھا۔ اس وقت فوری ضرورت تھی کہ حدیث و سنت کے سرمایہ کو جو صحابہؓ و تابعین سے منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے مدون کیا جائے اور وہ علم جو محدثین کے سینوں اور منتشر سفینوں میں تھا اُس کو محفوظ کیا جائے۔

ادھر وہ متبرک نفوس جنہوں نے براہ راست زبان نبوت سے احادیث سنی تھی آپؐ کی زندگی کے ہر خد و خال کو محفوظ کئے ہوئے تھے۔ یعنی صحابہؓ کرام ان کے وجود سے بزم عالم خالی ہو رہی تھی۔

جب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ صفر ۹۹ھ میں منصب خلافت پر فائز ہوئے جس کی ذات سرتاپا اسلام کا اعجاز تھی۔ اور خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھی، انہوں نے دیکھا کہ روافض، خوارج اور قدریہ وغیرہ نئے نئے فرقے سر اُٹھا رہے ہیں اس لئے حدیث و سنت کے باقاعدہ تدوین کی ضرورت ہے۔

قاضی ابوبکر بن حزم خزرجی انصاری المتوفی ۱۲۰ھ جو بڑے پایہ کے عالم تے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

مدینہ میں جس قدر قضا کا ان کو علم تھا اور کسی کو نہیں تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں مدینہ کے قاضی آپ ہی تھے اس لئے اُن کو حدیث کی تدوین کی طرف توجہ دلائی اور لکھا "انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتب بہ لی فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کچھ حدیثیں تم کو ملیں اُن کو تحریری شکل میں لے آؤ۔ اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ علم مٹ جائے گا۔ اور علماء رخصت ہو جائیں گے۔

خاص طور سے تعین کے ساتھ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ اور قاسم بن محمد کے ذخیرہ روایات کی طرف توجہ دلائی کہ جلد اس کو قلمبند کیا جائے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جو فرمان بھیجا تھا امام محمد نے اپنی مؤطا میں زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے "ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی ابی بکر بن عمرو بن حزم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او سنتہ او حدیث عمرؓ او نحو ھذا ناکتبہ لی فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمر کی حدیثیں اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث وسنت کے ساتھ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کے آثار کو بھی جمع کرنے کا حکم دیا تھا، مگر افسوس کہ قاضی صاحب کے کام کی ابھی تکمیل نہ ہو سکی تھی کہ حضرت بن عبدالعزیز ۲۵ رجب ۱۰۱ھ میں رحلت فرما گئے، آپ کی مدت خلافت ۲ سال ۵ ماہ تھی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی التمہید میں امام مالک کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ کہ ابن حزم نے متعدد کتابیں لکھیں قبل اس کے کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجیں خلیفہ راشد وفات پا چکے تھے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز عمال سلطنت اور مشاہیر علماء کو بالخصوص اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا اور گشتی فرمان جاری کیا کہ "انظروا الی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کرو۔ خلیفہ راشد کا یہ فرمان تو تمام ذمہ داروں کے نام تھا مگر خصوصیت سے ابوبکر بن حزم کے علاوہ امام محمد بن شہاب الزہری المتوفی ۱۲۵ھ کو بھی اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ امام زہری کا حال ان کے رفیق درس صالح بن کیسان سے سنئے، کہتے ہیں کہ ہم اور زہری دونوں طلب علم میں ساتھ تھے زہری نے کہا آؤ ہم سنتیں لکھیں۔ چنانچہ ہم نے لکھا۔ جو کچھ کہ آنحضورؐ سے منقول ہے اور زہری نے آثار صحابہؓ کو بھی لکھا اور ہم نے نہیں لکھا وہ کامیاب ہوئے اور ہم ضائع۔ یہ امام موصوف کے دور طالب علمی کا حال تھا۔ خود عمر بن عبدالعزیز شہادت دیتے ہیں کہ "لم یبق احد اعلم بسنۃ ماضیۃ من الزھری" گزشتہ سنت کا زہری سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہیں رہا

حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں امام زہری کا بیان نقل کرتے ہیں "امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا" ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے۔ اور پھر اُنہوں نے ہر اس سرزمین پر کہ جہاں اُن کی حکومت تھی ایک دفتر بھیج دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام موصوف نے قاضی ابو بکر بن حزم سے پہلے اس فن کی تدوین کر لی تھی چنانچہ ان کی جمع کردہ کتابوں کو مختلف شہروں میں عمر بن عبدالعزیز نے بھیج دیا تھا۔ اس لئے حافظ ابن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں کہ اولیت کا سہرا امام زہری کے سر ہے۔ چنانچہ جامع بیان العلم میں امام مالک اور امام عبدالعزیز دراوردی دونوں کا قول نقل کیا ہے۔ کہ فرماتے ہیں کہ اس علم کے سب سے پہلے مدون ابن شہاب ہیں۔ حافظ ابن حجر کی بھی یہی رائے ہے، فرماتے ہیں۔ اول من دون الحدیث ابن شھاب علامہ سیوطی نے بھی محمد بن مسلم بن شہاب زہری کو پہلا مدون بتایا ہے۔

محققین کی ایک جماعت نے اسی قول کو اختیار کیا ہے البتہ امام بخاری کا رجحان قاضی ابو بکر بن حزم کی طرف ہے جیسا تعلیقاً صحیح بخاری میں مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہے۔ چونکہ تدوین کا کام مختلف علماء نے شروع کیا تھا اس لئے حدیث کا اول مدون مختلف حضرات کو کہا گیا ہے۔ مگر یہ اولیت کسی خاص شہر کے لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ یا یہ حضرات ایک ایک باب کی احادیث جمع کرتے تھے، لیکن امام زہری کو مطلقاً تمام بلاد اسلامیہ اور مختلف ابواب کی روایت جمع کرنے کے لحاظ سے اولیں کا شرف حاصل ہے

آئمہ اربعہ اور تدوین حدیث

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمع وتدوین کا دروازہ کھولا اور آئندہ چل کر اس سلسلے کو بہت ترقی ہوئی۔ قاضی ابوبکر بن حزم اور امام زہری کے علاوہ مختلف آئمہ تابعین نے تصنیف وتالیف میں توجہ و دلچسپی لی۔ چنانچہ دوسری ہی صدی میں حدیث کے مختلف مجموعے تیار ہو چکے تھے ابن جریج مکی المتوفی ۱۵۰ھ ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ سعید بن عروبہ المتوفی ۱۵۶ھ معمر یمنی المتوفی ۱۵۳ھ ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۰ھ کے مجموعے خاص طور پر مشہور ہیں۔ امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ جو فقہ کے چار دبستان فکر کے مالک ہیں۔ جن کی فقہ اس وقت تک عالم اسلام میں مقبول و زندہ ہے۔ یہ اللہ کا بڑا فضل اور اسلام کی اقبال مندی تھی کہ اس کار عظیم کے لئے ایسے لوگ میدان میں آئے جو وقت کے نئے حالات ومسائل سے آگاہ، اسلام کی تاریخ ورو ایات اور روح شریعت سے گہری واقفیت رکھتے تھے، عہد صحابہؓ اور اسلام کے پورے ذخیرے (قرآن و حدیث اور لغت و قواعد) پر کامل عبور رکھتے تھے، ان ائمہ اربعہ کا تدوین حدیث میں بھی عظیم کارنامہ ہے۔ کتاب الآثار و مؤطا یہ دونوں حدیث کی ایسی کتابیں ہیں۔ جو پہلے فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کی گئیں۔

امام شافعی کی اگرچہ فن حدیث پر کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے۔ مگر اس مقدس فن کی جو خدمت ان سے انجام پائی اس کو تاریخ تدوین حدیث میں فراموش نہیں نہیں کیا جا سکتا اور امام احمد کی مسند تو معروف ومشہور ہے

حافظ ابن تیمیہ کتاب الاستغاثہ میں جو بکری کے رد میں تحریر فرمائی ہے، لکھتے ہیں، ائمہ میں ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جو محدثین میں بھی امام ہیں اور فقہاء میں بھی اور ان دونوں جماعتوں میں شامل ہیں۔ گو ان میں سے ایک جماعت کی طرف ان کا انتساب زیادہ موزوں ہے اس سے آگے یہ عبارت ہے "والکثر ائمۃ الحدیث والفقہ کمالک والشافعی واحمد واسحٰق بن راھویہ وابی عبید وکذلک الاوزاعی والثوری واللیث ھؤلاء وکذلک لابی یوسف صاحب ابی حنیفۃ ولا سحنیفۃ ایضاً مالہ من ذلک ولکن بعضھم فی الامامۃ فی الصنفین ما لیس للاخرۃ وفی بعضھم من ضعف المعرفۃ من ذلک ولکن لبعضھم من ضعف المعرفۃ باحد الصنفین ما لیس فی الاخر فرضی اللہ عن جمیع اھل العلم والایمان" اور حدیث و فقہ کے اکثر امام جیسے کہ امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید اور اسی طرح اوزاعی، ثوری اور لیث ایسے ہی تھے اور اسی طرح امام یوسف صاحب امام ابوحنیفہ اور خود امام ابوحنیفہؒ کا بھی وہی مرتبہ ہے۔ جو اُن کے شایان ہے لیکن ان میں بعض کو دونوں صفتوں میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسرے کو نہیں ہے اور بعض کو ایک صنف کی معرفت میں وہ ضعف بھی ہے کہ جو دوسرے میں نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ تمام اہل علم و ایمان سے راضی ہو

قاضی محمد زاہد الحسینی، کیمبلپور

انکارِ حدیث کے نقصانات

گذشتہ سے پیوستہ

منکرین حدیث کے اعتراضات

منکرین حدیث کے چند گِنے ہوئے اعتراض ہیں جو تقریبًا ایک سو سال سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ سوالات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نہ لکھوائیں بلکہ اس سے منع کیا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق نے بھی منع فرمایا۔

۲۔ احادیث کا آپس میں سخت اختلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

۳۔ حدیث کو وحی کہنا اور وحی کی دو قسمیں یہ اختراعی بات ہے۔ پھر حدیث ایک ظنی بات ہے یہ تواتر وغیرہ بھی محدثین کا اختراع ہے۔

۴۔ جب قرآن مکمل، کامل ہے تو حدیث کی ضرورت کیا ہے۔

۵۔ اجلہ صحابۂ کرام سے احادیث کی روایت نہیں اگر احادیث ہوتیں تو وہ بھی ضرور روایت کرتے

۶۔ اتنی کثرت کے ساتھ احادیث کیوں کر موجود ہو گئیں۔

۷۔ احادیث میں ذرا سے نیک کام پر اتنا بڑا ثواب اور ذرا سی برائی پر اتنا بڑا عذاب بتلایا جاتا ہے یہ تشریع کے سخت خلاف ہے۔

۸۔ اتنا زمانہ دراز سے احادیث کا محفوظ رہنا عقلاً محال ہے۔

۹۔ قرآن اور حدیث میں تضاد اور مخالفت ہے۔

"جوابات"

ان سوالات کے جوابات ضمنًا میری کتاب "ضرورت حدیث" میں دیئے گئے ہیں یہاں بھی ان کو بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ پوری طرح وضاحت ہو جائے۔

پہلے سوال کا جواب، عربوں میں کتابت کوئی بہترین شغل نہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کو اپنے حافظ پہ اعتماد تھا اور آج تک ان کا حافظہ قوی ہے۔ نیز قرآن شریف کے ساتھ اختلاط کا خطرہ تھا اسی لئے آپ نے عمومی طور پر لکھنے سے منع فرمایا۔ ورنہ ویسے تو آپ نے لکھنے کا حکم بعض صحابہ کو فرمایا

۔ انصار میں سے کسی شخص نے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا اپنے داہنے ہاتھ سے کام لو یعنی لکھ لیا کرو۔ (ترمذی)، حضرت عمر فاروق نے خود احادیث جمع کرائیں۔ ان کی اشاعت کی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مگر احادیث کے قبول کرنے میں پورا پورا اہتمام فرمایا۔ جبتک کہ کم از کم دو گواہ روایت کرنے والے موجود نہ ہوتے تھے آپ قبول نہ فرماتے تھے۔ اس کا جواب بڑی تفصیل سے پہلے مذکورہ کتاب میں دیا گیا ہے یورپ کے بلند ترین مفکر گوٹط سیہر نے کہا ہے "عربوں میں کتابت معیوب تھی وہ حفظ کر لیا کرتے تھے۔ آج بھی خالص عرب (بدو) لکھنے پڑھنے کو حقیر خیال کرتے ہیں (آئمۃ اللہ جلد اول صـ۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری کاموں میں بھی لکھنے پڑھنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ غار ثور میں اور صلح حدیبیہ کے وقت بھی آپ کے پاس قلم دوات موجود ہے۔ حجۃ الوداع میں آپ نے ابو شاہ کو خطبہ لکھ کر دینے کا حکم فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے بڑے بادشاہ تھے۔ باقاعدہ نظام حکمرانی قائم تھا۔ ایک جامع فہرست پیش ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین کے اسمار گرامیہ مع فرض منصبی درج کئے جاتے ہیں اس فہرست میں صرف انہی کے نام ہوں گے جن حضرات نے کافی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارا۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ فہرست کسی چودہویں صدی کے مولوی یا ملّا کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی متوفی ۳۴۶ھ / ۹۵۶ء کی ہے۔ جس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے فاضل مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ علامہ مسعودی تاریخ کے ابوالآباء ہیرودوٹس یونانی کا جواب ہے۔ اور یہی رائے پروفیسر نکلسن کی بھی ہے۔

نمبر شمار	نام کاتب	فرض منصبی
۱	خالد بن سعید	ہر قسم کے کام کی یہی کتابت کرتے تھے۔
۲	مغیرۃ بن شعبہ ثقفی	یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ضروریات لکھا کرتے تھے
۳	حصین بن نمیر	
۴	عبد اللہ بن ارقم	یہ دونوں قرض کے وثیقے۔ دستاویزات کے کاتب تھے
۵	علاء بن عقبہ	
۶	زبیر بن العوام	زکوٰۃ اور صدقات کی آمدنی کے کاتب۔
۷	جہیم بن الصّلت	
۸	حذیفہ بن الیمان	حجاز کی آمدنی کا موازنہ لکھا کرتے تھے
۹	معیقیب بن ابی فاطمہ	مال غنیمت کی کتابت کیا کرتے تھے
۱۰	زید بن ثابت انصاری	بادشاہوں کو خط لکھتے اور ان کے خطوط کا جواب لکھتے تھے۔ فارسی۔ رومی۔ قبطی۔ حبشی۔ زبانوں میں آئے ہوئے خطوط کا ترجمہ فرمایا کرتے تھے۔
۱۱	حنظلہ بن الربیع	جب خاص شعبہ کا کوئی منشی نہ ہوتا تو آپ اس کے فرائض انجام دیا کرتے۔
۱۲	عبد اللہ بن سعد	
۱۳	شرجیل	
۱۴	ابان بن سعید	یہ حضرات بھی دربار نبوی کے کاتب تھے رضی اللہ عنہم وعن کل الصحابۃ اجمعین۔
۱۵	علار بن الحضرمی	
۱۶	معاویہ	

التنبیہ والاشراف للمسعودی صـ۱۲۵

جواب سوال دوم

دوسرا سوال منکرین حدیث کی طرف سے بڑی قوت اور تعلی کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف نے شیعہ سُنّی۔ مرزائی، وہابی وغیرہ فرقے پیدا کر دیئے اگر احادیث کا انکار کر دیا تو یہ سارے فرقے مٹ جائیں گے۔ اسی تفصیل میں "دو اسلام" کے مصنف نے حدیث کو مداری کی پٹاری تک کہہ دیا ہے (صـ۳۶)

اس سوال کا جواب ظاہر ہے کہ احادیث میں ہرگز کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جو بنیادی ہو مثلاً سارے اسلامی فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ خدا ایک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں جہاد فرض ہے۔ روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج فرض ہے اور اسی کیفیت کے ساتھ ابتدار اسلام

سے ہے کہ آج تک فرض ہے۔ ہاں اب منکرین حدیث نے ایک نظریہ قائم کر لیا ہے اور اگر متعدد اور متفرق فرقوں کے استدلال کی وجہ سے حدیث ناقابل قبول ہے تو پھر قرآن کریم کے متعلق آپ کا نظریہ کیا ہو گا۔ جبکہ قرآن کریم سے فرق باطلہ اپنے اپنے استدلال تحریف کے ساتھ کر رہے ہیں۔ مثلاً

مرزائی خاتم النبیین کا معنی کرتے ہیں" نبی گر" اور محمد رسول اللہ کے متعلق مرزا قادیانی نے کہہ دیا کہ اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی (ایک غلطی کا ازالہ) محمد علی باب ایرانی اور اس کے معتقدین نے سورۃ الحدید کے اس جملے لہ باب سے یہ استدلال کر لیا ہے کہ میرے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ (القیٰمۃ) سے مراد میری وحی ہے۔ فرقہ اباحیہ بھی قرآن سے استدلال کر رہا ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا جو کچھ زمین میں ہے اس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ نہ حرام نہ گناہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں دہلی میں یہ فرقہ موجود تھا۔ سلطان نے اسے نیست و نابود کر دیا فجزاہ اللہ احسن الجزاء (خزائن الفتوح ص۱۲)

تو اب بقول مصنف دو اسلام قرآن بھی مداری کی پٹاری ٹھہرا لہٰذا اس کو بھی ترک کر دیا جائے۔ بات یہ نہیں ہے بلکہ سب اُمتوں میں تحریف اور استدلال باطل کرنے والے گزرے ہیں ان کا استدلال باطل ہوا کرتا ہے۔ ان کی تاویل تحریف ہوا کرتی ہے قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ وہ صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے قرآن کی تاویلات اپنی خواہشات کے مطابق کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا

ومنهم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی وان هم الا یظنون ○ فویل للذین یکتبون الکتب بایدیهم ثم یقولون هذا من عند الله لیشتروا به ثمنا قلیلا فویل لهم مما کتبت ایدیهم وویل لهم مما یکسبون (بقرہ)

نوٹ۔ قرآن کریم سے کس طرح فرق باطلہ نے تحریف کر کے استدلال باطل کیا ہے اس کی تفصیل میری کتاب ہدایت میں ملاحظہ فرماویں

جواب دوم

اس جواب کو سمجھنے سے پہلے ایک تمہید کا سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راہ بر اور خدا تعالیٰ تک پہنچانے والے پاک باز انسان تھے آپ نے اپنے اقوال اور اپنی زندگی سے ان لوگوں کو۔ جو تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھے نہ صرف ایک کامل انسان بنا دیا بلکہ دنیاوی وجاہت سے ان کو دوسرے تمام اقوام سے بلند فرما دیا ایسے لوگوں کی تربیت جو خدا اور رسول کے نام سے نا آشنا تھے۔ کچھ آسان کام نہ تھا۔ آپ نے اس دین فطرت کو ان کے دل و دماغ میں اس طرح راسخ کر دیا کہ وہ پھر جان دینے پر تو راضی ہو سکتے تھے۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک حرف تک نہ سنتے تھے۔ اس لئے ان کی تربیت میں تدریجاً ترقی دی گئی۔ یہی مثال سمجھ لیں کہ ایسے لوگوں کو پابند نماز کرنا جو بتوں کی عبادت میں سرشار تھے کس قدر کٹھن اور مشکل کام تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے جو نماز کا طریقہ سکھایا وہ صرف دو رکعت تھی۔ اور وہ بھی نماز میں کلام کرنا جائز تھا۔ بات کرنی درست تھی۔ جبکہ ان کے قلوب میں عبادت کا کچھ اثر پیدا ہوا تو کلام کرنے سے منع فرما دیا۔ اب صرف زبانی سلام اور اس کا جواب دینے کی اجازت تھی۔ جب زیادہ ایمان اور اللہ کی محبت راسخ ہو گئی تو اب زبانی سلام اور اس کا جواب تو منع کر دیا گیا مگر اشارہ سے جواب دینا جائز رکھا گیا۔ پھر اس کے بعد اشارہ سے بھی سلام و کلام کرنا منع کر دیا گیا اب سب احادیث کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس قاعدہ پر ان کو پرکھ لیں تو یہ تضاد اور اختلاف خود بخود رفع ہو جائے گا اسی لئے احادیث نبویہ سے احکام ثابت کرنے کے چند قواعد بنائے گئے ہیں۔ اور ان میں سب سے اہم قاعدہ یہ ہے کہ احادیث میں پہلی (منسوخ)، اور پچھلی (ناسخ)، حدیث کو پوری طرح سمجھا جائے۔ چنانچہ

۱۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حکم پر عمل کیا جاوے گا۔ (بخاری ص۶۵۴ ج ۳ مصری)

۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر ایک وعظ کرنیوالے پر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اور آخری احادیث جانتا ہے۔ اس نے جواب میں کہا نہیں تو اس پر حضرت علی نے فرمایا تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دیا۔

۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتوٰی وہی دے سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اور آخری احادیث کو جانتا ہو۔

۴۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایک واعظ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے اولین اور آخری دور کو نہ جانتا تھا، فرمایا کہ تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی کر دیا

"فائدہ"

بعض دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اپنے ایک تشریعی حکم کو ہٹا کر دوسرا حکم نافذ فرما دیا مثلاً

ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ جب تم کو فلاں فلاں دو آدمی ملیں تو تم ان دونوں کو جلا دو۔ پھر جبکہ صحابہ بارادہ سفر جہاد تیار ہو کر رخصت کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو پہلے حکم دیا تھا۔ کہ فلاں فلاں کو جلا دو مگر اب یہ حکم ہے کہ اگر وہ دونوں تم کو مل جائیں تو ان کو قتل کر دیں۔ بخاری جلد دوم ص۱۹ مصری باب التودیع"

ب اسی طرح بعض احادیث میں ایک حکم مجمل ذکر ہوا تو دوسری میں اس کی تفصیل اور تشریح آ گئی وہ در اصل آپس میں معارض نہیں ہیں بلکہ ایک مجمل اور دوسری اس کی تفصیل اور تشریح ہے۔ اس لئے احادیث کو سمجھنے کے لئے یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ہمیشہ مجمل حدیث کو مفسر حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ مستقل فن اس کے لئے بنایا گیا ہے خصوصاً امام طحاوی نے اپنی کتاب مشکل الآثار (جو ۴ جلدوں میں ہے) میں ان تمام احادیث کا حل فرمایا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

کیا منکرین حدیث کا آپس میں اختلاف نہیں چند حوالے درج کرتا ہوں۔

۱۔ مصنف دو اسلام تو فرماتے ہیں حضور کا مشہور خطبہ جو خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے تمام تر جعلی ہے ص۸۱

اور طلوع اسلام اس امر کا مدعی ہے کہ حجۃ الوداع میں لاکھوں آدمیوں نے سنا طلوع اسلام کی عبارت یہ ہے کہ

"چنانچہ اپنی وفات سے حجۃ الوداع میں لاکھوں مسلمانوں سے اس امر کا اقرار لیا کہ قرآن ان تک پہنچا دیا گیا ہے (طلوع اسلام ماہ جون ۱۹۵۱ء)

۲۔ مصنف دو قرآن اور اسلام ہزار ہا احادیث کو صحیح مانتے ہیں۔ دو اسلام ص۳۴۶ اور طلوع اسلام کے ہاں ایک حدیث بھی صحیح نہیں۔

۳۔ قرآن کریم منکرین حدیث کے ہاں بھی اساس اسلام ہے۔ مگر اس کے نزول میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ طلوع اسلام بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء میں علامہ تمنا عمادی نے جمع القرآن ایک مفصل مقالہ لکھا ہے

اس میں وہ لکھتے ہیں کہ۔
"کوہ حرا پر پہلے پہل شب قدر ماہ رمضان پورے قرآن کا کتابی صورت میں آپ کے سامنے نزول ہوا۔ اس لئے پہاڑ کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے" ص۸۸

ظاہر ہے کہ تمنا صاحب نے ایک ایسا مسئلہ بیان فرمایا۔ جو ایک کھلی ہوئی حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ اس پر طلوع اسلام اکتوبر ۵۲ء نے یہ تبصرہ کیا۔

"یہ خیال درست نہیں کہ قرآن پہلے پورے کا پورا ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اور پھر وہی قرآن نجماً نجماً ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوتا رہا۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کے لئے کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت محسوس نہ ہوتی"

ناظرین خود اندازہ فرمالیں کہ یہ لوگ کس راستہ پر چل رہے ہیں۔

جواب سوال سوم

حدیث کو وحی کہنا نص قرآنی ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے اور آپ کے نطق ہمایونی کو قرآن کریم نے وحی فرمایا۔ ارشاد ہوا۔

وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم)

یہاں قرآن کریم کا لفظ نطق صاف بتا رہا ہے کہ جو کچھ آپ بولتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے۔ وحی کی اقسام بھی قرآن ہی میں موجود ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت بیان اور ارشاد ہے جس کو قرآن کریم نے فرمایا۔ لتبین للناس (الآیتہ)
مگر قرآن کریم کو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں ارشاد ہوا ثم ان علینا بیانہ (القیامہ)
اب جب کہ آپ کا کام یہ ہے کہ قرآن کریم کو بیان فرماوے اس کا مطلب واضح فرماویں۔

اور اس کا مطلب واضح جو آپ فرماویں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا تو لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ وحی ہی ہو گا۔

قرآن حکیم نے خود وحی کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (الشوریٰ)

اور نہیں شایاں کسی بشر کو کہ اللہ تعالےٰ اس کے ساتھ کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے۔ پس اپنے اذن سے جو چاہے وحی کر دے۔

یہاں پر تین چیزیں تو صراحت کے ساتھ ہیں وحی پردہ کے پیچھے۔ فرشتہ کا بھیجنا۔ اور دوسری جگہ وحی خفی کے متعلق فرمایا کہ پیغمبر کی خواب بھی وحی ہوتی ہے۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق (الفتح) آخر اسی خواب نے تو ابراہیم علیہ السلام کو اپنا لخت جگر ذبح کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ قرآن کریم نے اس خواب کو بھی امر کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت اسماعیل نے کہا۔

یا ابت افعل ما تؤمر حالانکہ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِنّی ارٰی میں دیکھتا ہوں۔ مگر چونکہ نبی کی خواب بھی وحی ہوا کرتی ہے اس لئے اسمٰعیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے جب نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے۔ تو اب بتلایئے اس وحی کا نام کیا رکھا جائے گا۔ اس کو وحی خفی ہی کہا جائے گا۔

اتنا ضرور یاد رہے کہ آپ سے اسی لئے کسی مسئلہ کے بیان کرنے میں غلطی یا سہو نہیں ہوا کیونکہ وحی میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ اگر نبی بھی بھول جائے تو پھر وہ امین نہیں رہتا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ درست کہہ رہا ہے۔ البتہ دوسری باتوں میں اس کا احتمال ہو سکتا ہے اس لئے حامل وحی کو امین کہا گیا ہے۔ ثم امین۔

باقی رہا یہ کہ سب اقسام تواتر اور احاد وغیرہ غیر مقبول ہیں۔ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو یہ سب کے سب ہماری معمولات ہیں۔ آخر ساری دنیا کے تعلقات اور نظام عالم کس طرح چل رہا ہے۔ قرآن کریم میں تواتر کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً

الم تر کیف فعل ربک باصحٰب الفیل۔

حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اس وقت یہ واقعہ ہوا پھر چالیس سال بعد آپ کو نبوت ملی مگر یہ واقعہ سارے عرب میں مشہور تھا۔ اس لئے اس کو الم تر کے ساتھ تعبیر فرمایا علیٰ ہذا القیاس قوم عاد وثمود وغیرہما کی تباہی اور بربادی چونکہ سارے عرب میں مشہور و معروف تھی اس لئے قرآن کریم نے اس کی تعبیر بھی الم تر سے کی حالانکہ یہ واقعات ہزارہا سال پہلے گزر چکے ہیں۔ اور کوئی نوشتہ حال یا عینی گواہ اس وقت موجود نہ تھا۔

اسی لئے الم تر کا معنی الم تعلم کہا جائے گا۔ یعنی کیا نہیں جانتا تو۔

خبر واحد کا اعتبار ہم روزانہ اپنے کاروبار میں ایک آدمی کی بات کا اعتبار کرتے ہیں ریڈیو پر اعلان کرنے والا، بیماری کی تشخیص اور علاج کی تجویز کرنے والا، لکچرار وعظ کرنیوالا ذرائع حمل و نقل پر کنٹرول کرنے والا یہ سب کے سب ایک ہی تو انسان ہوتے ہیں اگر ایک آدمی کی بات پر اعتبار نہیں تو ان باتوں میں کیوں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے آخر انبیاء اور رسل بھی تو ایک ایک ہی تشریف لائے ہیں۔ یہی اعتراض مشرکین کا تھا۔ قوم ثمود نے کہا تھا کہ صرف ایک آدمی (نبی) کی بات مان لیں تو یہ سراسر نقصان کا کام ہو گا۔ کذبت ثمود بالنذر فقالوا ابشرا منا واحدا نتبعہ انا اذا لفی ضلٰل وسعر (القمر)

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس واحد کی (اگر وہ منجانب اللہ تصدیق شدہ مخبر نہ ہو یعنی رسول اور انبیاء علیہم السلام کے سوا) تحقیق کی جائے اگر وہ سچا ثابت ہو جائے پھر تو اس کی اتباع لازمی اور ضروری ہے۔ اسی کو دوسرے مقام پر فرمایا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ۔

اور اگر خبر واحد کا دین میں اعتبار نہیں ہے تو پھر انجیل۔ متی۔ لوقا۔ مرقس وغیرہ کا کیا اعتبار ہو گا۔ آخر یہ بھی تو ایک ایک ہی حواری تھے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات جمع کئے تھے۔ بہرکیف خبر واحد کا اعتبار ہے۔

فائدہ۔ حدیث کے بیان کرنے کے الفاظ مشہور حدثنا اور انبأنا ہیں یہ دونوں قرآن شریف سے مستنبط ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں کو تعلیم دینے کے لئے حکم فرمایا انبئھم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبأنی العلیم الخبیر ہد ہد نے دربار سلیمان میں عرض کیا نبأ یقین" اور حدیث کا کلمہ بھی کئی موجود ہے قال اتحدثونھم" اما بنعمۃ ربک فحدث۔

جواب سوال چہارم

عام طور پر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب مبین ہے۔ پھر ایک ایسی کامل کتاب کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

جواب۔ یہ سوال بظاہر ایک صحیح سوال معلوم ہوتا ہے۔ مگر در اصل یہ ایک مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ کہا جا سکے گا کہ جب اللہ تعالےٰ

کی ذات کامل منزہ من العیوب والنقائص جامع اوّل، آخر ہے۔ تو پھر اس پر ایمان لانے کے بعد رسول پر ایمان لانے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ پھر فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ خود اسی خداوند تعالیٰ عزاسمہٗ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کا حکم فرماتے ہوئے انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے۔

امنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی انزل علی رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل۔ کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ۔ (الایۃ)

تو جس طرح ایمان باللہ ہی مقصود ہے اور ایمان با رسول اس کے لئے ذریعہ اور سبب ہے اگر رسول کو نہ مانا جائے تو خداوند تعالیٰ پر ایمان لانا کب درست ہوگا جب اس فرشتے پر ایمان لایا جائے گا جو وحی الٰہی لاتا ہے۔ اور پھر اسی وحی پر ایمان لانا ضروری ہوگا جو فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نبی علیہ السلام پر لاتا ہے۔

مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکٰل فان اللہ عدو للکٰفرین (بقرہ)

ان آیات سے یہ بات مدلل طور سے معلوم ہو گئی کہ کامل کے ہوتے ہوئے غیر کامل پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ غیر کامل در اصل کامل کا ایک حصہ اور اس کے لوازمات سے ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہمارے زندگی کے روز مرہ کے میں جاری ہے۔ کیا ہم ایک بہت قیمتی کپڑے کو سوئی سے سینا پسند نہ کریں گے کہ کپڑا قیمتی ہے۔ اور سوئی تو ایک پیسے کی ہے کیا کسی ایک بیش قیمت دستاویز کو قلم سے اس لئے نہ لکھیں گے کہ قلم کی قیمت ان کے مقابلہ میں کم ہے یا ہیچ ہے اس لئے فطرتی طور پر ہر کامل کے لئے ناقص کا اتباع کیا جانا ضروری ہے یہ محض دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اگر قرآن کریم کے کامل ہونے کا یہی مطلب ہے تو پھر مولوی عبد اللہ چکڑالوی نے اور مولوی احمد دین امرتسری نے قرآن کریم کی تفسیر میں کئی کئی جلدوں میں کیوں لکھ دیں۔ اور دور حاضر میں پرویز صاحب نے معارف القرآن جلدوں میں کیوں لکھ دیں اور لکھنی باقی ہیں۔

جواب سوال پنجم

اجلہ صحابۂ کرام سے روایت حدیث بکثرت نہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ اوّل تو یہ اعتراض غلط ہے۔

پہلے گذر چکا ہے کہ اجلہ صحابہ کرام سے احادیث بڑی کثرت سے روایت ہیں حضرت خلفاء اربعہ کی اپنی مسندات موجود تھیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اجلہ صحابۂ کرام رات دن اس دین قیم کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل رہا کرتے تھے۔ جس کو لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ جیسا کہ آج بھی ایک کسی بڑے آدمی کے وزراء خاص اس کی زندگی کے تمام شعبوں کو کلی طور پر ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جزوی اور تفصیلی طور پر ان کو موقع ہی نہیں مل سکتا۔

جواب سوال ششم

اتنی کثرت سے احادیث کا ہونا

یہ بھی در اصل پہلے ہی طرح کا مغالطہ ہے آخر جب ہماری معمولی انسانوں کی زندگی کے واقعات کئی مجلدات میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور حالات جن کا ساتھ صحابہ دنیا داری کا نہ تھا۔ بلکہ وہ تو آپ کے تھوک مبارک کو بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ ایسے جاں نثاروں نے کس قدر آپ کے اعمال اور اقوال کو محفوظ کر لیا ہو گا اس کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے۔ جس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور الفت ہو۔

احادیث کی اتنی کثرت کیوں ہے؟

دنیا کے معمولی معمولی انسانوں کی تصانیف کا اندازہ کریں۔ جناب پرویز صاحب کے قلم سے جو کچھ نکلا اسی کو جمع کریں کتنا ذخیرہ بنتا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی کی تصانیف ایک ہزار تک ہیں۔ جب دنیا کے معمولی انسانوں کے ملفوظات جو صرف چند آدمی سنتے ہیں اور حقیر سی عقیدت کے ماتحت جمع کرتے ہیں۔ وہ اتنے زیادہ ہیں تو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جن کا ایک ایک حرف بھی صحابہ کرام ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ کس طرح کم ہو سکتا ہے۔

خود منکرین حدیث کا یہ خیال ہے کہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی نے اقیموا الصلوٰۃ کی تشریح ایک کتاب میں کی جس کا نام الفرقان ہے۔ اور وہ چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ حالانکہ حدیث کی کسی کتاب میں چار سو صفحات صرف نماز کی تشریح پر نہیں لکھے گئے۔

دوسری چیز یہ بھی ہے کہ سرسری طور پر احادیث کا مطالعہ کرنے والے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ احادیث کی تعداد بڑی زیادہ ہے۔ حالانکہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی حدیث کو متعدد مسائل کے ضمن میں کئی دفعہ نقل کر دیا جاتا ہے۔ جتنے اس سے فوائد زیادہ معلوم ہوتے ہیں اتنی ہی دفعہ اس کو نقل کر دیا جاتا ہے۔ سرسری طور پر دیکھنے والے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ احادیث بھی اتنی ہی ہیں مثلاً جناب رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی کے انتقال ان کے غسل والی روایت صرف ام عطیہ سے روایت ہے۔ مگر امام بخاری نے اس سے دس مسائل کا استنباط فرمایا ہے۔ تو یہ سرسری طور پر دس حدیثیں معلوم ہوتی ہیں حالانکہ در اصل وہ ایک ہی حدیث ہے۔ جس کا پہلا باب (میت کو طاق مرتبہ غسل دینا مستحب ہے)، سے شروع ہو کر (کیا عورت کے بال اس کے پیچھے ڈال دیں)، پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔ (بخاری مصری ج ۱ ص ۱۵۲)

جواب سوال ہفتم

چھوٹی چھوٹی عبادات پر اتنا زیادہ ثواب اور چھوٹے چھوٹے گناہوں پر اتنا زیادہ عذاب کیوں دیا گیا ہے۔ یہ بھی علامت ہے کہ احادیث بنی بنائی ہوئی باتیں ہیں مگر اس کا جواب۔

(۱) یہ ہے کہ چھوٹی نیکیاں اور برائیاں دونوں بڑے نیک کاموں کے ذرائع ہیں اور برائیاں بڑے کاموں کی ذرائع ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بندہ نوافل عبادات کرتے کرتے اتنا مقرب دربار الٰہی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ارادہ کو مکمل فرماتا ہے۔ اسی کے برعکس برائیوں کے متعلق فرمایا۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

۲۔ ترغیب اور ترہیب کو ساتھ رکھ کر فیصلہ کیا جائے اگر ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا جنت میں جائے گا۔ تو دوسری احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر ایک آدمی چوری کرے گا تو اس سے ایمان نکل جائے گا الحدیث۔ ہمیشہ ثواب اور عذاب دونوں قسم

کی حدیثوں کو جمع کرکے فیصلہ کرنا چاہیئے صرف ایک قسم کی حدیث لے کر یہ کہہ دینا اسلام نے جنّت بہت آسان کر دی ہے اور یا یہ کہ ملّا نے اسلام کو بہت تنگ کر دیا ہے دیانت کے خلاف ہے۔

۳۔ احادیث سب کی سب ایک دوسرے کی تشریحات ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہیں۔ مثلاً فرمایا۔

کہ لا الٰہ الا اللہ جنّت کی کنجی ہے۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ واقعی جنّت کی ہے مگر کنجی کے دندانوں کی بھی ضرورت ہے۔ اگر دندانے نہ ہوں تو تا کہ نہیں کھلتا۔ اسی طرح کلمہ پڑھنے کے باوجود عمل کی ضرورت ہے۔ یہ تو محض اعتراضات ہی ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

یہ ایک عجیب مغالطہ دیا جاتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے اعمال پر حدیث نے زور دیا اور ان سے بچنے کی تاکید فرمائی آخر اتنا تنگ مذہب تو نہیں ہے حالانکہ اگر ہم اپنی زندگی کے کسی گوشہ کو مطالعہ کریں تو اس کا جواب ہمیں مل سکتا ہے اگر ایک درزی آپ سے کہہ دے کہ آپ کے اس کوٹ کے لئے جس کا کپڑا بڑا قیمتی ہے۔ بٹن کی ضرورت ہے یا اس کی سلائی کے لئے ایک پائی کی سوئی کی ضرورت ہے تو کیا درزی کا مذاق اڑایا جائے گا۔ اور یہ کہنے کو کوئی عقلمند تیار ہو گا کہ چلو سوئی اور بٹن کے بغیر ہی کوٹ تیار کر دو کسی اعلیٰ سے اعلیٰ خوراک میں ایک پائی کا نمک نہ ڈالنے سے وہ ہانڈی ادھوری سمجھی جاتی ہے دنیا کی کسی چیز کو آپ لے لیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی اجزاء ہی اس کے بقاء اور دوام کا سبب ہوا کرتی ہیں اور پھر دین کے معاملہ میں آکر خواہ مخواہ اعتراض کر دیا جاتا ہے۔

تاثرات:۔ مولانا فاضل حبیب اللہ رشید الحسینی مدیر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

احسانیات

اعد ذکر احسان لنا ان ذکرہ
ہو المسک ما کررتہ یتضوع

ع:۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مقبولیتِ عامہ

راقم ۱۹۶۳ء کے سفر حج و زیارت پر تھا۔ جامعہ کے سالانہ اجلاس میں تشریف لے گئے۔ میری غیر حاضری میں تقریر میں میرے متعلق بہت کچھ فرمایا۔ اجلاس کے اختتام پر دعا فرمانے لگے۔ کہ کسی صاحب نے میرے لئے دعا یاد کرا دی، دعا کرتے کرتے جامعہ کی امداد کے لئے اپیل کر دی۔ لوگ اُٹھ کر جا رہے تھے کہ دعا ہی میں جاتے جاتے سینکڑوں روپے طلبہ کی اعانت کے لئے جمع کرا دئے

(اللہ تعالےٰ آپ کا یہ صدقہ جاریہ جاری و ساری رکھے۔)

خصوصی محاسن

حضرت قاضی صاحبؒ محاسن و اخلاق کا مجموعہ تھے۔ میرے سامنے متعدد بار ایسا ہوا کہ ان کی مجلس میں کسی نے کسی غیر حاضر مسلمان یا جماعت یا طبقہ کی شکایت یا عیب جوئی کی تو فوراً روک دیتے کہ یہ غیبت ہے۔ منہ پہ ہاتھ رکھ دیتے! اگر کوئی کہتا کہ یہ تو واقعہ ہے۔ فرماتے یہی غیبت ہے ورنہ بہتان!!

اتحاد بین المسلمین

سب سے اہم اور بڑی خصوصیت یہ کہ وہ اپنے مسلک پر نہایت راسخ العقیدہ ہونے کے باوجود کسی فرد یا فرقہ کے خلاف غلط بات نہ کہتے۔ کسی کو گالی ہرگز نہ دیتے۔ بڑی میٹھی تنقید کرتے، مگر اخلاق کو زبان و ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ فرقہ واریت سے اپنا دامن بڑی حکمت عملی سے بچائے رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ طبقات آپ کا احترام کرتے اور آپ کا احسان مانتے۔ اس کی بڑی دلیل آپ کے جنازہ میں جملہ مسلمانوں کی شرکت اور آپ کی ملک گیر تعزیت ہے۔

دفاعِ پاکستان

جہادِ پاکستان اور دفاعِ ملک و ملت کے لئے آپ نے آزاد کشمیر و پشاور سے لے کر کراچی تک جو اسفار، تقاریر، بیانات کئے وہ ایسا جہادِ عظیم اور احسانِ کریم ہے کہ ملک کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی اتنا احسن اور عظیم کام اور دینی خدمات نہیں بجا لا سکا۔ جو کام آپ نے کر دکھائے اس پر آپ کے خطبات و تقاریر، شواہد و دلائل بیّن ثبوت ہیں۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

حضرت قاضی صاحبؒ کا جنازہ

جنازہ پر پاکستان بھر کے عقیدتمندوں کا اجتماع تو اخبارات میں شائع ہوا لیکن جو کیفیات غمگساروں کی دیکھنے میں آئی۔ وہ بالکل انوکھی تھی کہ باہر سے اہل و عیال، مستورات سمیت لوگ جنازہ میں شرکت کے لئے آئے۔ بعض نوجوانوں کو میں نے مسجد اور قاضی صاحبؒ کے مکان کی دیواروں سے ٹکر مار کر دھاڑیں مارتے ہوئے روتے دیکھا۔

شجاع آباد کے کسی صاحب نے کہا کہ شجاع آباد یتیم ہو گیا۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ سارا پاکستان یتیم ہو گیا۔

جامعہ رشیدیہ میں تعزیت و ایصالِ ثواب

جامعہ رشیدیہ کے عملہ، اساتذہ و طلبہ کو آپ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ راقم ناظم نے اسلامیانِ ساہیوال کے سامنے جمعہ کے اجتماع میں تعزیتی خطبہ دیا اور دعائے مغفرت و ایصالِ ثواب ہوا۔ طلبہ رشیدیہ نے متعدد قرآن پاک ختم کئے اور حفّاظ و قراء نے عجیب مثال قائم کی کہ پورا مہینہ بھر سارے

بقیہ: احسانیات

دن اور رات کو قرآن کی منزلیں ختم کرکے ہر روز دعائے مغفرت و ایصال ثواب کرتے اور تادمِ تحریر ادعیہ مغفرہ کا سلسلہ جاری ہے ــــــ

۱۵ر رمضان کی شب سحری کے وقت جب یہ مضمون مکمل ہوا۔ تو خواب میں حضرت قاضی صاحبؒ دفتر جامعہ رشیدیہ تشریف لائے۔ ایک طالب علم نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت قاضی صاحبؒ دفتر تشریف لائے ہیں۔ میں جلدی سے بڑی عجلت سے اٹھا کہ آنکھ کھل گئی ــــ یہ جامعہ سے آپ کے تعلق کی تعبیر ہے۔

بقیہ : امام ابوحنیفہؒ اور علم حدیث

موسیٰ بن زکریا حصفکی۔ ان کی مسند کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے۔ ان مسانید کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر روایات صرف دو واسطے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔ اس سے ان کی صحت و قوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں صرف امام مالک اس خصوصیت میں شریک ہیں۔ مگر ان کی مرویات میں سب سے عالی یہی روایات ہیں۔ جب کہ امام اعظم کی مرویات میں وحدانیات بھی موجود ہیں علامہ شعرانی نے بڑے فخر و حسرت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ میں امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کی زیارت و مطالعہ سے مشرف ہوا جن پر حفاظ حدیث کے دستخط تھے۔ علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے مسانید کو محدثین سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اگرچہ امام صاحب کے فقہی مسائل کے مقابلے میں ان کو زیادہ شہرت نہیں ہوئی مگر واقعہ ہے کہ بعد والوں کے لئے بہت بڑا نمونہ چھوڑ گئے۔

محدث خوارزمی نے ان کو مسانید کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس لئے بعد کے علماء بھی ان کو مسند کہنے لگے۔ مگر بہت سے اہل علم نے کتاب الآثار و سنن کے نام سے بھی یاد کیا ہے بلکہ قاضی ابو یوسف کی مسند کتاب الآثار کے نام سے چھپ بھی گئی ہے امام محمد کی مسند تو کتاب الآثار کے نام سے مشہور ہے۔ چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی نے بھی اس کو بدائع الصنائع میں "ذکر آثار ابی حنیفہ" ہی کے نام سے یاد کیا ہے۔

کتاب الآثار لمحمد کے متعلق حافظ ابن حجر تعجیل المنفعۃ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں: والموجود من حدیث ابی حنیفہ مفردا انما ھو کتاب الآثار التی رواھا محمد بن الحسن عنہ"

امام ابوحنیفہ کی حدیث میں مستقل طور پر جو کتاب مشہور ہے وہ کتاب الآثار ہے۔ جس کو امام محمد نے ان سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس کے رجال پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ ابن حجر کی کتاب کا نام "الایثار بمعرفۃ الآثار ہے"

بقیہ : علوم اسلامیہ ص۱۵ سے آگے

ان دونوں روایتوں سے ثواب کی زیادتی معلوم ہو رہی ہے اور درجہ اُن کا ہی بڑا ہے جو پہلے گذرے کیونکہ ہماری ہر نیکی میں وہ شریک ہیں اور اُن کی وجہ سے ہم تک دین پہنچا۔

یہاں تک کہ مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) بندے پر احکام الٰہیہ کی اطاعت اور انبیاء کرام کے بتلائے ہوئے احکام پر چلنا واجب ہے کیونکہ ہر اُس چیز تک کہ جس میں خداوند قدوس کی رضامندی ہو بندہ کی رسائی ممکن نہیں ہوتی بہت سی چیزیں عقل سے بالا ہوتی ہیں جنہیں بتلانے کے لئے انبیاء کرام کی بعثت ہوا کرتی تھی۔

(۲) علم دین مستند، معتبر اور متبع سنت علماء سے حاصل کرنا چاہیئے۔

(۳) علم دین ہی وہ علم ہے جو انبیاء کرام کا ترکہ ہے اور اس کا سیکھنا سب سے افضل عبادت ہے اور یہ سب سے مقدم ہے۔

بقیہ : خطبہ جمعہ

نہیں ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو علماء ربانی پیش کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب علماء ربانی جن کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں سنتِ خیر الانام (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اور وہ اس کی روشنی میں چلتے ہیں یہی صحیح معنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے غلام ہیں۔ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا اور ان سے بدسلوکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو دکھانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جھٹلانا ہوگا۔ اس لئے ان کو نشانۂ تضحیک بنا کر اور ان سے بدسلوکی کرکے عذابِ الٰہی کے مستحق نہ بنو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے رسول نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے تمام اصحاب و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاء و صلحائے امت اور علمائے ربانی کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یا الٰہ العالمین!!

(گذشتہ سے پیوستہ)

میرے بزرگو! اسلام نے بڑی محبت کا پیغام دیا دیکھو اسلام نے کہا کہ یہودیوں میں تبلیغ کرو، اسلام نے کہا عیسائیوں میں تبلیغ کرو۔ لیکن کیا کہا؛ تم جا کر پہلے عیسائیوں سے کیا کہو جو یہ کہو ہم مانتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول ہیں، ہم مانتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں ہم مانتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم موید بروح القدس ہیں۔ اس کے بعد تبلیغ کرو۔ اگر تم نے موسیٰ علیہ السلام کی امت کو تبلیغ کرنی ہے تو کیا کہو گے؟ تم یہ کہو کہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن میں آتا ہے کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ہم مانتے ہیں موسیٰ خدا کے اولوالعزم رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم مانتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام چوٹی کے نبی ہیں لیکن اب زمانہ ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ نعوذ باللہ تم نعوذ باللہ اسلام نے یہ نہیں سکھایا تم جا کر موسیٰ علیہ السلام کی تنقیدیں شروع کر دو موسیٰ ایسا تھا ایسا تھا ایسا تھا لہذا ہمارے نبی کو مانو۔ حضرت عیسیٰ ایسے تھے ایسے تھے لہذا ہمارے نبی کو مانو۔ ہم نے بیٹ نہیں دینی ایک نبی کو ہٹا کر دوسرے نبی کے لئے۔ ہم نے سب نبیوں کا احترام کرنا ہے۔ محبت کا پیغام دے کر پھر اسلام کی دعوت پیش کرنی ہے۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا (ابن جریر کی روایت ہے اور میں نے ایک چھوٹا سا پمفلٹ لکھا ہے "حضرت مسیح کا پیغام اپنی امت کے نام" اس میں میں نے اس کو نقل کیا ہے۔ ابن جریر کی روایت ہے۔ تفسیر کی مشہور کتاب ہے اس میں یہ حدیث نقل کی ہے علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے) کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا مسلمان ہونے کے لئے حضور انور نے اس کو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھایا اور فرمایا کہ دیکھو اسی پر بات نہیں ختم ہوتی یہودی کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کیا اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اس لئے تم اقرار کرو میرے سامنے کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے پاک بندے ہیں وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ اور آپ کی ماں اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ بندی ہیں تب آپ کا اسلام قبول ہو گا۔ وہ کہتا ہے میں ایسا اسلام ماننے کو تیار نہیں ہوں جس میں عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا نبی ماننا پڑے فرمایا کہ نکل جا میرے دروازے سے تیرا اسلام ہی قبول نہیں ہے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دہلی کے بہت بڑے عالم دین تھے مکہ مکرمہ میں آپ فوت ہوئے۔ ان کے پاس بھی یہی قصہ ہوا۔ بہت سے ایسے قصے موجود ہیں۔ علامہ رحمت اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ صولتیہ کے بانی جو مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان علاقوں کو ہمیشہ شاداب رکھے اور خداوند تعالیٰ ان بھارتی درندوں کے مکروں سے ان کو محفوظ رکھے۔ واقعی ان لوگوں نے علم اور دین کی وہ شمع جلائی جو سارے ایشیا کو منور کر رہی ہے۔ اللہ ہمیں بھی ان کے افادات سے اقتباس کی توفیق عطا فرمائے۔ تو انہوں نے یہ سارے واقعات اپنی کتابوں میں لکھے ہیں میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اسلام پہلے دینوں کو مکمل طور پر نہیں مٹاتا۔ ان کی اچھی باتوں کو لیتا ہے اور غلط باتوں پر تنقید کرتا ہے۔ تو اسی طرح خوراک کے مسئلے میں بھی اسلام نے ان کی اچھی باتیں لیں مثلاً خنزیر کا گوشت سب دینوں میں حرام ہے اس لئے قرآن نے بھی کہا کہ وہ حرام ہے۔ اسی طرح باقی جو چیزیں پہلے دینوں میں حرام تھیں ان کی تصریح کی اور باقی جو چیزیں حرام نہیں تھیں اور اسلام نے حرام کرنا چاہیں ان کی بھی صراحت فرما دی۔

تیسری بات اس سلسلہ میں عرض کر کے پھر میں ترجمہ کرتا ہوں۔ اسلام کا جو قانون ذبیحہ ہے کسی چیز کو ذبح کرنے کا قانون، اس میں رحمت، اخلاص قربِ الٰہی یہ چیزیں ہیں۔ رحمت اور شفقت ارادہ قربِ الٰہی ان تین چیزوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ شفقت کا مفہوم کیا ہے؟ امام الانبیاء فرماتے ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب تم کسی جانور کو ذبح کرنے لگو تو اچھے طریقے پر ذبح کرو، چھری کو تیز رکھو چارپائے کی ٹانگوں کو باندھ دو اور اتنی تیزی کے ساتھ ذبح کرو کہ رگیں فوراً کٹ جائیں اور ذبیحے کو تکلیف نہ ہو۔ یہ شفقت ہے۔ کھانا تو تم نے ہے اللہ نے حکم دیا کھانے کا۔ کھانا تو ہے لیکن اس کو بارادہ ذبح کرو اس ارادے پر ذبح کرو کہ میرے اللہ نے میرے لئے حلال کیا ہے اور میں اللہ ہی کے نام سے ذبح کرتا ہوں۔ چنانچہ ہم جب ذبح کرتے ہیں تو کیا پڑھتے ہیں بسم اللہ اللہ اکبر۔ (باقی آئندہ)

چیف ایڈیٹر عبید اللہ انور

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۳۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء (۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳۹/۹/۶۷-۲-۹ D.D مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء

بچوں کا صفحہ

سب سے بڑے امام

محمد سلیم ضیاء

اب سے قریباً ایک ہزار پونے دو سو سال پہلے کوفہ شہر میں ایک بہت بڑے بزرگ اور نیک عالمِ دین رہا کرتے تھے۔ ان کا نام ثابت تھا۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک مبارک بچہ دیا۔ اس بچے کا نام نعمانؒ رکھا (رحمۃ اللہ علیہ) یہ بچہ بہت ہونہار نہایت شریف اور نیک بخت تھا۔ نہ بُرے بچوں میں کبھی کھیلتا اور نہ کسی کو گالی دیتا۔ نہ بُرا کہتا جھوٹ بولنا یا آوارہ گردی کرنا تو کہاں بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے۔ بزرگوں کے پاس بیٹھنے اور عالموں کے پاس آنے جانے کا شوق تھا۔ اور ذرا سی عمر میں اتنے نیک بن گئے کہ سب لوگ ان کی تعریف کرتے اور ان کو عزّت و محبّت کی نظر سے دیکھتے۔ ذرا سیانے ہوئے تو والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اب کوئی سر پر بھی ایسا نہ رہا جو تنبیہہ و تاکید کرتا اور بُرے کاموں سے روکتا۔ مگر جو اچھے بچّے ہوتے ہیں۔ وہ خود اچھا بننے کی کوشش کیا کرتے ہیں انہیں کسی کے کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خوب علمِ دین پڑھتے رہے۔ جب اپنے شہر کے عالموں سے پڑھ لیا۔ تو علم کے شوق میں دوسرے شہروں میں جانے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں سفر کے لئے ایسی سواریاں نہ تھیں جیسی آجکل ہیں۔ اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانا بہت دشوار تھا۔ لیکن انہوں نے علم کے شوق میں ہزاروں میل کا سفر پا پیادہ طے کیا اور سینکڑوں علماء سے علمِ دین حاصل کیا۔ جہاں کہیں آپ کسی بڑے عالم کا نام سنتے۔ خواہ کتنا ہی فاصلہ ہوتا۔ آپ ضرور پہنچتے۔ چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے تکلیفیں اٹھاتے۔ بھوکے پیاسے رہتے حصولِ علم میں ہر بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کی۔ ہوتے ہوتے یہ بچّہ بہت بڑا عالم بن گیا اور اپنے دین اور علم کی سمجھ میں اتنا بڑھا۔ کہ تمام علماء کا سردار بن گیا اور اللہ تعالےٰ نے اس قدر عزت عطا فرمائی کہ اب کوئی ان کا نام نہیں لیتا سب "امام اعظمؒ" کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں۔ "بہت بڑے پیشوا"

عزیز بچو! انہوں نے بچپن کی عمر میں محنت کی۔ وقت کو ضائع نہ کیا۔ نیک لوگوں کے پاس بیٹھے۔ ان سے باتیں سیکھیں۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے عظمت اور بزرگی عطا فرمائی۔ اور بڑے بڑے بزرگوں اور دینداروں کا امام بنا دیا۔ آپ کی بزرگی اور نیکی کی داستانیں بہت سی بڑی بڑی کتابوں میں لکھی ہیں یہاں صرف دو چار باتیں بتاتا ہوں

عزیزو! سب سے بڑی نیکی بلکہ سب نیکیوں کی جڑ خدا کا خوف ہے۔ جس کو خدا کا ڈر جتنا زیادہ ہوتا ہے۔ اتنی ہی زیادہ وہ عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ اور وہ بُرے کاموں سے علیحدہ رہتا ہے جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں۔ وہ خدا سے نہیں ڈرتے ان کے دل میں خدا کے قہر و عذاب کا خوف نہیں ہوتا اللہ کے نیک بندے خدا سے بہت ڈرتے ہیں۔

حضرت امام ۔ اعظمؒ بھی خدا سے بہت ڈرتے تھے اور بہت زیادہ عبادت کرتے تھے کتابوں میں لکھا ہے کہ امام اعظمؒ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے یعنی چالیس سال تک آپ رات کو بالکل نہیں سوئے۔ بلکہ ساری رات اللہ کی یاد میں گذاری خیال تو کرو لگا تار چالیس سال تک رات کو بالکل نہ سونا کتنا مشکل کام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ان کو بزرگی اور بڑائی دی کہ انہوں نے اللہ کی یاد میں بے حد تکلیف اٹھائی آپ رات کو عام طور پر ایک قرآن مجید ختم کر دیا کرتے تھے آپ نے زندگی میں سات ہزار قرآن مجید ختم کئے ہیں اور یہ نہ سمجھ لینا کہ رات کو عبادت کر لیتے ہوں گے۔ تو دن کو آرام کرتے تھے۔ نہیں صبح سے لے کر شام تک قرآن و حدیث پڑھایا کرتے تھے اور لوگوں کو وعظ و تبلیغ فرماتے رہتے تھے۔

آپ نے ۵۵ حج کئے اور تیس سال برابر روزے رکھے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے بچپن سے آپ کو نیکی کا جذبہ عطا فرمایا۔

عزیز بچو! تم بھی اگر اچھا بننا چاہتے ہو۔ بڑے ہو کر اللہ کے دربار میں اور لوگوں کے سامنے باعزّت و محترم رہنا چاہتے ہو تو اچھے کام کرو۔ بُری صحبتوں سے پرہیز کرو۔ دیکھ لو۔ ثابت کا لڑکا نعمانؒ اگرچہ یتیم تھا۔ غریب تھا۔ مگر اپنی کوشش اور اللہ کے فضل سے امام اعظمؒ بن گیا۔ آج ساری دُنیا کے مسلمان ان کی تعظیم کرتے ہیں اللہ تعالےٰ ہمیں بھی نیک بنائے اور نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)